الھوٰی و الھدٰی

(خواہشاتِ نفسانی اور ہدایاتِ ربّانی)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	روحانی امراض سے بے فکری	۷
۲	چھوٹے بڑے گناہ کے بارے میں سوال	۸
۳	چھوٹے بڑے گناہوں کی علمی تحقیق علماء کا کام ہے	۹
۴	امراضِ ظاہری اور باطنی میں لوگوں کا طرزِ عمل	۹
۵	غیبت میں ابتلائے عام	۱۰
۶	علماء اور مشائخ کی غلط تاویل	۱۱
۷	گناہ کو ہلکا سمجھنا گناہِ کبیرہ ہے	۱۱
۸	غیبت کا گناہ زیادہ کیوں؟	۱۱
۹	گناہِ صغیرہ اور کبیرہ کی تحقیق کی وجہ	۱۲
۱۰	ہوائے نفسانی کے مرض کا منشاء	۱۳
۱۱	افعال و ترکِ افعال کا داعی کون	۱۴
۱۲	کسی آیت کا کفار کی شان میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے	۱۵
۱۳	مسلمان بدرجہ اولیٰ مخاطب ہیں	۱۵
۱۴	مخاطب کوئی مقصود کوئی	۱۶
۱۵	کسی کی پردہ پوشی کی وجہ سے خطاب دوسرے کو ہوتا ہے	۱۷
۱۶	اتباعِ ہوٰی میں مسلمان کا طرزِ عمل	۱۷

۱۷	زنا کی مختلف صورتیں	۱۸
۱۸	دِل کے افعال	۱۹
۱۹	نماز میں حضورِ قلب اختیاری ہے	۲۰
۲۰	افعالِ اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں فرق	۲۰
۲۱	حضورِ قلب میں لوگوں کی غلطی	۲۱
۲۲	حضورِ قلب سے مایوسی کا سبب	۲۱
۲۳	حضورِ قلب کا مطلوب درجہ	۲۲
۲۴	دل پر اختیار کا مطلب	۲۳
۲۵	شہوت میں ہماری حالت	۲۳
۲۶	نظرِ بد زنا کا مقدمہ ہے	۲۴
۲۷	بعض لوگ دُزدیدہ نظری سے کام لیتے ہیں	۲۵
۲۸	حقیقتِ معالجہ	۲۶
۲۹	اصلاحِ قلب کے لئے مراقبہ کی تعلیم	۲۷
۳۰	مراقبہ حال کے درجے میں قابل اعتبار ہے اس پر ایک بزرگ کی حکایت	۲۸
۳۱	حدیث کی تشریح اور رفع اشکال	۲۹
۳۲	غلبہ خشیت الٰہی کا فائدہ	۳۰
۳۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام اصلاحِ قلب	۳۰
۳۴	ہوائے نفسانی کے زائل ہونے کے معنی	۳۱
۳۵	سالکین کی پریشانی	۳۱
۳۶	فطرت نہیں بدلتی	۳۲
۳۷	شبہ کا جواب	۳۳

۳۸	لوگوں کے ایک غلط گمان کا ازالہ	۳۳
۳۹	داعی کے بقا کی حکمت	۳۴
۴۰	تقاضائے ہویٰ پر ایک قصہ	۳۴
۴۱	حکایت	۳۵
۴۲	مشائخ کا اندازِ تربیت	۳۶
۴۳	ہوائے نفسانی کی ایک قسم غصہ	۳۷
۴۴	کانپور کا ایک دلچسپ قصہ	۳۸
۴۵	حکایت	۳۸
۴۶	غصہ کے بارے میں ایک گُر	۳۹
۴۷	مقتضاءِ عمل کی شرائط	۴۰
۴۸	مراقبات برائے دفع غصہ	۴۱
۴۹	حکایت	۴۱
۵۰	داعیہ بعد ریاضت کے بھی باقی رہتا ہے اور اس کی دلیل	۴۲
۵۱	حالت غضب میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل	۴۲
۵۲	غصہ فرو ہونے کی تدابیر	۴۳
۵۳	مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ضبطِ غصہ	۴۴
۵۴	بزرگوں کے ساتھ تمسخر واستہزاء کی سزا	۴۴
۵۵	بچوں کو پڑھانے والوں کی حالت	۴۵
۵۶	قیامت میں بے جا غصہ کا انجام	۴۶
۵۷	ماتحتوں کی خطا معاف کرنے کی تعلیم	۴۶
۵۸	بدعات ورسوم کو روکنے کی بہترین ترکیب	۴۷
۵۹	دین کے کاموں میں اتباعِ ہویٰ	۴۸

۶۰	پیروں کی حالت	۴۹
۶۱	علامتِ خلوص	۵۰
۶۲	باطنی اصلاح کے طالبین کی غلطی	۵۰
۶۳	خودرائی کی بُرائی	۵۱
۶۴	مقصوداصلی رضائے دوست ہے	۵۱
۶۵	حالت فراق میں حصول رضائے دوست کی مثال	۵۲
۶۶	مقصودِاصلی	۵۳
۶۷	طالبِ لذات طالبِ حق نہیں ہے	۵۴
۶۸	ہوٰی کی تعریف اوراسکا اطلاق	۵۵
۶۹	ہوٰی کی اقسام	۵۶
۷۰	نفسِ مطمئنہ کا حال	۵۶
۷۱	دُعا پرایک اشکال اوراسکا جواب	۵۷
۷۲	سوال وجواب	۵۸
۷۳	فنافی اللہ کا طریقہ	۵۸
۷۴	بیعت ضروری نہیں کام کرنا ضروری ہے	۵۹
۷۵	مشائخ کا فرض منصبی	۶۰
۷۶	مریدین کی ذمہ داری	۶۰
۷۷	مطالعہ مواعظ وکتب قائم مقام شیخ ہیں	۶۱
۷۸	حاصل تدابیر	۶۱
۷۹	شیخِ کامل کی علامتیں	۶۲
۸۰	شیخ کے حقوق	۶۳
۸۱	خلاصۂ وعظ	۶۴

وعظ

الھوٰی و الھدٰی

(خواہشاتِ نفسانی اور ہدایاتِ ربّانی)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ آپ کی حیات میں اس طرح طبع ہوتے تھے کہ دوران وعظ کوئی صاحب پورے وعظ کو قلم بند فرماتے (کیونکہ اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ کا رواج نہیں تھا) پھر بعد میں اس وعظ کو صاف کر کے نقل کرتے اور حکیم الامت کی خدمت میں پیش فرمادیتے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس وعظ کو از اول تا آخر مطالعہ فرماتے اور جہاں ضرورت محسوس فرماتے کچھ اصلاح فرماتے اس طرح یہ مواعظ گویا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی حیثیت اختیار کر جاتے۔

مذکورہ وعظ ''الھوٰی والھدٰی'' الٰہ آباد فنائے مسجد عبداللہ والی میں ۲۷/ رجب ۱۳۳۷ھ کو کرسی پر تشریف فرما ہو کر پونے تین گھنٹے تک ارشاد فرمایا جس کو حکیم محمد یوسف صاحب مرحوم نے قلم بند فرمایا۔ وعظ میں ہوٰی اور ہدٰی کو بیان کیا گیا سامعین کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس وعظ پر جمادی الاخرٰی ۱۳۵۵ھ میں نظر ثانی فرمائی اور شعبان ۱۳۵۵ھ میں یہ وعظ رسالہ المبلغ میں طبع ہوا۔ اپنی افادیت کے اعتبار سے یہ وعظ عوام وخواص سب کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اس میں ذکر کردہ مضامین آج بھی اسی اہمیت کے حامل میں جتنے آج سے ۹۴ سال پہلے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾(۱)

روحانی امراض سے بے فکری

یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس میں حق تعالیٰ نے ہمارا ایک ایسا مرض ذکر کیا ہے جو قریب قریب اکثر طبائع میں عام ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے مدارج مختلف ہیں جیسے کسی خاص قسم کا بخار ایک مرض مشترک ہے مگر اُس کے مدارج مختلف ہیں (۲) کسی کا بخار تیز ہے اور کسی کا ہلکا ہے، لیکن نفس بخار ایک جماعت میں مشترک ہے پھر امراضِ جسمانی میں ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی کو خفیف مرض (۳) ہو تو عقلاء کے نزدیک اس کی خفت (۴) کی طرف نظر نہیں کیجاتی اور یہ

(۱) ''اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدوں اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل ہو اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا'' سورۂ قصص:۵۰ (۲) اس کے مختلف درجات ہیں (۳) چھوٹی بیماری (۴) اس کے ہلکے پن کی طرف نظر نہیں کی جاتی۔

خیال نہیں کرلیا جاتا کہ یہ تو خفیف سا مرض ہے اس کا معالجہ نہ کیا جاوے(۱) بلکہ باوجود خفیف ہونے کے اس کے علاج سے بے فکری نہیں ہوتی اور اس کے حالی ضرر کے علاوہ اس کے مآلی شدید ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے(۲) مگر امراضِ روحانی کے باب میں علاوہ اس کے کہ جسمانی امراض کی طرح اس کا اہتمام نہیں ایک مرض اور بھی ہے وہ یہ کہ اس میں یہ تفتیش(۳) ہوتی ہے کہ یہ بڑا مرض ہے یا خفیف(۴)۔

چھوٹے بڑے گناہ کے بارے میں سوال

چنانچہ عموماً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیوں صاحب کیا یہ بڑا گناہ ہے یا چھوٹا، میں پوچھتا ہوں کہ اس سوال سے مقصود بجز اس کے اور کیا ہے کہ اگر بڑا گناہ ہوگا تو اس سے بچیں گے ورنہ نہیں مگر اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص آپ کے پاس آکر یوں کہے بھائی میں تمہارے چھپّر میں آگ لگاؤنگا مگر چھوٹی سی چنگاری رکھونگا بڑا سا انگارا نہ رکھونگا تو اس کو سن کر ہرگز آپ کو بے فکری نہ ہوگی اور آپ اُس سے یوں نہ کہیں گے کہ ہاں جی چھوٹی سی چنگاری کا کیا مضائقہ ہے رکھ بھی دو۔ بلکہ یہ سن کر معاً اس کی مزاحمت کرو گے روکو گے(۵) اور احتجاج کرو گے کہ یہ آپ نے خوب کہی کہ بڑا انگارا نہ رکھونگا آپ نے یہ نہ سمجھا کہ چھوٹی چنگاری بھی بجھنے سے پہلے بڑی بن جاتی ہے دوسرے چھوٹی چنگاری گو حساً چھوٹی ہے مگر نوعیت تو مشترک ہی ہے جو کام بڑا انگارا کرتا ہے وہی یہ کرسکتی ہے ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ بڑا انگارا جلد کام کرتا ہے اور چھوٹی چنگاری ذرا دیر میں کام کرتی ہے مگر دونوں کا اثر تو یکساں ہے اس لئے یہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اُس کے چھوٹا ہونے سے

(۱) علاج نہ کیا جائے (۲) اس کے وقتی نقصان کے علاوہ اس کے ذریعہ بعد میں ہونے والے سخت نقصان کا بھی خیال کیا جاتا ہے (۳) تحقیق کی جاتی ہے (۴) چھوٹا (۵) فوراً اس سے لڑو گے اور روکو گے۔

کیا کچھ بے فکری ہوسکتی ہے؟ حالانکہ دونوں میں فرق بھی ہے مگر یہ فرق ظاہری مضرات میں معتد بہ شمار نہیں ہوتا(۱) مگر حیرت ہے کہ مضراتِ باطنی میں اس چھوٹے بڑے کے فرق کو معتبر اور مؤثر سمجھا جاتا ہے وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ مضرات باطنی کو لوگ مضرت ہی نہیں سمجھتے (۲) اگر مضرت سمجھتے تو گناہ کے چھوٹے اور بڑے ہونے کی تحقیق کیوں کی جاتی۔

چھوٹے بڑے گناہوں کی علمی تحقیق علماء کا کام ہے

البتہ تحقیق علمی کا مضائقہ نہیں جس سے مقصود صرف فرق مراتب اور درجات عمل کا معلوم کرنا ہوتا ہے مگر یہ حق صرف اہلِ علم کو ہے عوام کو اس تحقیق کا حق نہیں نہ ان کو اس تحقیق سے کچھ فائدہ ہے کیونکہ جب ان کو اعمال مباح و مامور بہا(۳) کے درجات معلوم نہیں نہ ان کے ذمہ لازم ہیں، تو وہ گناہوں کے درجات معلوم کر کے کیا لیں گے ان کی غرض اس سوال سے بجز اس کے کچھ نہیں کہ اگر بڑا گناہ ہو تو نہ کریں اور چھوٹا ہو تو اس کی جرأت کرلیں سو اس غرض سے یہ سوال سراسر ناجائز اور نہایت مضر سوال ہے۔

امراضِ ظاہری اور باطنی میں لوگوں کا طرزِ عمل

مگر دیکھا جاتا ہے کہ آج کل عموماً اس قسم کے سوالات علماء سے کئے جاتے ہیں جو علامت ہے گناہوں کو ہلکا سمجھنے کی اسی لئے میں کہتا ہوں کہ امراضِ روحانی میں تو لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے اور امراضِ جسمانی میں خفیف مرض کی بھی زیادہ فکر کرتے ہیں ان کو ہلکا نہیں سمجھتے مثلاً خفیف بخار میں (۴) یوں سمجھتے ہیں

(۱) ظاہری نقصان میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا (۲) باطنی نقصان کو لوگ نقصان ہی نہیں سمجھتے (۳) وہ اعمال جو جائز ہیں اور وہ اعمال جن کے کرنے کا حکم دیا گیا دونوں کے درجات میں ان کو فرق معلوم نہیں (۴) ہلکا سا بخار ہوجائے تو۔

کہ بخار کا جسم میں رکا ہوا ہونا بہت بُرا ہے۔ یہ جو تھوڑا بخار رہتا ہے بعض اوقات تیز بخار سے بھی زیادہ فکر کی بات ہے غرض امراضِ جسمانی میں قلیل و کثیر دونوں سے یکساں خطرہ اور خوف ہوتا ہے اس قاعدہ کا مقتضا تو یہ تھا کہ امراضِ روحانی میں بھی شدید اور خفیف معصیت سے دونوں قسم کی معصیت سے یکساں خوف ہوتا مگر اس میں اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے وہ یہ کہ جو معصیت شدید ہوتی ہے اس کو تو معصیت سمجھتے ہیں مثلاً زنا کو گناہ بھی سمجھتے ہیں اس کو طبعاً یا عرفاً عیب بھی سمجھتے ہیں۔ اس کا ارتکاب بھی اکثر مسلمان نہیں کرتے اور اگر کبھی غلطی سے زنا سرزد ہو جائے تو بہت پریشان اور پشیمان ہوتے ہیں بخلاف غیبت کے اس کو خفیف سمجھا جاتا ہے اور خفیف سمجھ کر اس کا ارتکاب بھی کر لیا جاتا ہے۔

غیبت میں ابتلائے عام

حتی کہ علماء اور مشائخ بھی اس سے خالی نہیں۔ بلکہ عوام الناس تو اس کو بُرا سمجھ کر کرتے ہیں اور ہم کچھ تاویل کر کے اچھا سمجھ کر کرتے ہیں۔ نیز عوام الناس تو اُن لوگوں کی غیبت کرتے ہیں جو اکثر ذنوب وعیوب میں (۱) مبتلا بھی ہیں گو ان کی غیبت بھی حلال نہیں اور ہم لوگ جو اہل علم اور اہل ارشاد کہلاتے ہیں ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہم غیبت کے لئے بھی علماء وصلحاء کو منتخب کرتے ہیں اگر مولوی صاحب غیبت کریں گے تو کسی مولانا ہی کی کریں گے۔ اور پیر صاحب غیبت کریں گے تو پیر صاحب ہی کی کریں گے۔ رہی یہ بات کہ ان کو عوام اور جہلاء سے تعرض کیوں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان کے مال و جاہ میں شریک نہیں ہیں اور اہلِ علم وصلحاء ان کے مال و جاہ میں شریک ہیں ان کا وہم یہ ہے کہ دوسرے علماء

(۱) جو گناہوں اور عیبوں میں مبتلا ہیں۔

ومشائخ ہمارے جاہ و مال میں شریک ہوجاویں گے تو ان کی وجہ سے ہماری جاہ و مال میں کمی آجائیگی اس لئے ان کو غیبت کے لئے خاص کیا جاتا ہے۔ غرض اس گناہ میں مشائخ تک بھی مبتلا ہیں اور وجہ وہی ہے کہ اس کو خفیف سمجھا جاتا ہے۔

علماء اور مشائخ کی غلط تاویل

بلکہ غضب یہ ہے کہ ایک گونہ عبادت قرار دی جاتی ہے۔ یعنی یوں کہا جاتا ہے کہ ہم دوسرے علماء و مشائخ کی اس لئے غیبت کرتے ہیں اور ان کے عیوب کو اس لئے ظاہر کرتے ہیں تاکہ اللہ کے بندے ان کے اثر اور ضرر سے محفوظ رہیں۔ (۱) وہ لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو اُن کے عیوب وفتن سے آگاہ کردینا چاہیئے۔

غرض یہ کہ ہم غیبت بھی کرتے ہیں پھر اس کو عبادت قرار دے کر کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کی یہ حالت عوام سے بھی بدتر ہے۔ بہرحال اس کی بناء کیا ہے۔ بناء وہی ہے کہ اس کو خفیف سمجھا جاتا ہے اسی لئے بے دھڑک اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

گناہ کو ہلکا سمجھنا گناہِ کبیرہ ہے

اور محققین نے دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ جس گناہ کو خفیف سمجھا جائے وہ گناہ کبیرہ سے بھی اشد ہے کیونکہ اُس سے توبہ بھی نہیں کی جاتی۔ اس سے توبہ کی توفیق ہونا بھی مشکل ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ایسا گناہ زیادہ قابل اہتمام کے ہے۔

غیبت کا گناہ زیادہ کیوں؟

اور عجب نہیں کہ یہی مبنی ہو اس حدیث کا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((الغیبة اشد من الزنا)) کہ ''غیبت زنا سے بھی اشد ہے'' حالانکہ ظاہراً مفسدہ اور قبح زنا کا (۲) زیادہ

(۱) نقصان سے محفوظ رہیں (۲) فساد اور بُرائی زنا میں زیادہ ہے۔

ہے مگر پھر بھی آپ غیبت کو اشد فرما رہے ہیں۔ اس میں بہت سے اسرار ہیں منجملہ ان کے ایک یہ نکتہ بھی ہوسکتا ہے زنا جو شخص کرتا ہے وہ اس کو بُرا بھی سمجھتا ہے اور غیبت کو اکثر حالات میں بُرا نہیں سمجھا جاتا اور ظاہر ہے کہ جس گناہ کے ساتھ استخفاف کیا جاوے وہ اس گناہ سے اشد ہے جس کے ساتھ استخفاف نہ کیا جاوے کیونکہ اس سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر اس دلیل یعنی عدم توفیق توبہ سے بھی اس کی اشدیت کو مستنبط نہ کیا جاوے تاہم قاعدہ شرعیہ یہی ہے کہ جس گناہ کو خفیف سمجھا جائے وہ شدید ہو جاتا ہے (۱) خواہ وجہ اس کی کچھ ہی ہو اس لئے بہت زیادہ ضروری تھا کہ اس سے بہت احتیاط کی جاتی مگر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ تفاوت درجہ کی وجہ سے بعض گناہوں کو خفیف سمجھ کر بے دھڑک ان کا ارتکاب کر لیتے ہیں حالانکہ مقتضائے عقل تو یہ تھا کہ جتنا خفیف مرض ہو تساہل (۲) کے خوف سے اس سے زیادہ احتراز ہوتا جیسا کہ امراضِ جسمانی میں کیا جاتا ہے مگر یہاں ثقیل گناہ سے تو کچھ رکاوٹ ہوتی بھی ہے مگر خفیف سے بالکل نہیں۔ پس سمجھ لیجئے کہ درجہ کا تفاوت سبب جرأت نہ ہونا چاہیئے کہ یہ تو صغیرہ گناہ ہے اور یہ بات تو مکروہ ہے اس کو کرلیا جاوے اور یہ کبیرہ ہے اس کو نہ کرنا چاہیئے۔

گناہِ صغیرہ اور کبیرہ کی تحقیق کی وجہ

ہر چند کہ گناہوں میں درجہ کا تفاوت ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی اجازت ہے اور اس کی اجازت نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ جب درجہ متعین ہو جائیگا تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ کبیرہ کی سمیّت شدید ہے۔ (۳) اس کا تدارک مہتم بالشان

(۱) توبہ کی توفیق نہ ہونے سے بھی غیبت کی سختی کو نہ سمجھا جائے تو شرعی قاعدہ یہی ہے کہ جس گناہ کو ہلکا سمجھیں بڑا ہو جاتا ہے (۲) سستی کے ڈر سے اس کے ارتکاب کا زیادہ اندیشہ ہو اور بچنے کی کوشش کرے (۳) کبیرہ کا زہر زیادہ ہے۔

تدابیر سے ہونا چاہیئے۔ اور اس کے لئے زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے۔ اور یہ معلوم ہوجائے کہ جو گناہ خفیف ہیں ان کی تدابیر آسان ہیں اس وجہ سے تحقیق تفاوت درجہ کی کی جاتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کو کیا جاوے اور اس کو نہ کیا جاوے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منجملہ اور امراض کے ہمارے اندر ایک یہ بھی مرض ہے کہ خفیف سمجھ کر بعض گناہوں سے بچنے کا اہتمام بالکل چھوڑ دیتے ہیں اسی مرض کو حق تعالیٰ ایک خاص عنوان جس سے اس مرض کا منشاء بھی معلوم ہوجاوے گا اس جگہ بیان فرماتے ہیں۔

ہوائے نفسانی کے مرض کا منشاء

چنانچہ وہ مضمون اور اُس کا منشا ترجمہ ہی سے معلوم ہوجائیگا سو ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ یعنی ''کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جس نے اتباع کیا اپنی خواہش کا بدوں اس کے کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کوئی ہدایت یعنی دلیل شرعی ہو'' یعنی بغیر ہدایت اور دلیل شرعی کے اس نے اتباع کیا اپنی خواہش نفسانی کا ترجمہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حق تعالیٰ کس بات کی مذمت فرمارہے ہیں۔ اور یہ ذرا توجہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ واقعی ہم لوگوں میں یہ مرض عام ہے یا نہیں۔ سو حق تعالیٰ مذمت فرماتے ہیں خواہش نفسانی کی کہ جس چیز کو جی چاہا کرلیا اور ظاہر ہے کہ خواہش نفسانی کا جب ایسا اتباع ہوگا گناہ اس کی نگاہ میں ثقیل اور عظیم نہ ہوگا(۱) بلکہ خفیف اور سرسری ہوگا اس سے دونوں باتیں معلوم ہوگئیں مرض بھی یعنی استخفاف معاصی اور اس کا منشا بھی یعنی اتباع ہوای اور اس کا مرض عام ہونا بھی ظاہر ہے چنانچہ عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت یہی ہے کہ جو جی میں آیا کرلیا پس ہمارے یہاں مرجح محض اتباع ہوای ہے(۲) خواہ

(۱) گناہ اس کی نگاہ میں بھاری اور بڑا نہیں رہے گا (۲) ہمارے نزدیک وجہ ترجیح صرف ہماری خواہش کا ہونا ہے چاہے وہ فعل ہو یا ترکِ فعل۔

فعل ہو یا ترک فعل۔ دونوں میں مرجح یہی ہے اور کچھ نہیں۔ اور مرجح کا اشتراط ظاہر ہے کیونکہ یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ ((القدرة تتعلق بالضدين)) یعنی ''قدرت کا تعلق ضدین کے ساتھ ہوتا ہے'' یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ضد پر تو قدرت ہو دوسری پر نہ ہو مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنے پر قادر ہے تو اس کے ترک پر بھی ضرور قادر ہوگا۔ افعال مقدورہ میں دونوں جانبوں یعنی فعل وترک پر قدرت ہوتی ہے(۱) اور ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح کسی خاص وجہ سے دی جاتی ہے غرض فعل ہو یا ترکِ فعل ہر ایک کے لئے مرجح ہونا چاہیئے (۲) یعنی کوئی ایسا داعی ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے انسان اپنی قوتِ ارادیہ کو ایک جانب کی طرف منصرف کرے (۳)۔

افعال وترکِ افعال کا داعی کون؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے افعال یا تروک میں وہ داعی کون ہے؟ عقلاً دوحال سے خالی نہیں یا داعی مذموم ہے اور وہ ہوٰی یا داعی محمود ہے اور وہ ہدٰی ہے۔(۴) یہی دونوں چیزیں اس آیت میں بھی مذکور ہیں اور دونوں کے لفظ ہم قافیہ بھی ہیں۔ پس داعی بننے کے قابل یہی دو چیزیں ہیں مگر بندہ کی شان اتباع ہدٰی ہونی چاہیئے یعنی حق تعالیٰ کی اجازت اور شریعت کی دلیل سے ایک جانب کو ترجیح دینی چاہیئے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اتباع ہوٰی کو مرجح بنا رکھا ہے (۵)۔ پس اس آیت میں اسی بات کی مذمت کی ہے کہ ہوٰی پر ترجیح دی جاتی ہے اب ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی حالت کو ٹٹول کر دیکھیں کہ یہ بات ہمارے اندر ہے یا نہیں۔

---

(۱) وہ افعال جن کا کرنا انسان کی قدرت میں ہو ان کے نہ کرنے پر بھی انسان قادر ہوتا ہے (۲) وجہ ترجیح ہونی چاہیئے (۳) پھیر دے (۴) اس کا سبب بُرا ہے جو کہ خواہش ہے یا اچھا ہے جو کہ ہدایت ربانی ہے (۵) خواہشات کی پیروی کو ترجیح دیتے ہیں۔

کسی آیت کا کفار کی شان میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے

ہر چند یہ آیت بدلالت سباق و سیاق کفار کی شان میں ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ مناط مذمت کیا ہے (۱) سو ظاہر ہے کہ مناطِ مذمت وہ صفت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اس لئے جس میں بھی یہ صفت ہوگی وہ قابل مذمت ہوگا۔ (۲) وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی کی ذات من حیث الذات سے نفرت نہیں ہے۔ اگر ذات سے بغض ہوتا تو حق تعالیٰ کفار کو ایمان کا مکلّف نہ فرماتے کیونکہ اس حالت میں ایمان کا مکلّف بنانا محض بے سود ہوتا (۳) کیونکہ اگر کوئی کافر ایمان لے آوے تو ذات تو وہی رہتی ہے اور اگر ذات سے بُغض ہوتا تو ایمان لانے سے کوئی نفع نہ ہوتا اور اس کی مخاطبت کو عبثیت لازم ہوتی (یعنی حق تعالیٰ کا اس کو مخاطب بایمان بنانا ایک فعل عبث ہوتا) اور حق تعالیٰ فعل عبث سے منزہ ہیں بس ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کو کسی کی ذات سے بغض نہیں بلکہ جس سے بغض ہے اس کے افعال کی وجہ سے ہے خواہ افعال باطنی ہوں یا ظاہری۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس آیت میں جو کفار کی مذمت ہے تو وہ کسی خاص فعل اور خصلت پر ہے اس لئے جہاں وہ خصلت ہوگی وہاں مذمت بھی ہوگی خواہ وہ خصلت مسلمان میں ہو یا کافر میں اس لئے آیت کا کفار کی شان میں ہونا بے فکری کا سبب نہیں ہوسکتا۔

مسلمان بدرجہ اولیٰ مخاطب ہیں

بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو مسلمان کو ایسی خصلت سے زیادہ نفرت ہونی چاہیئے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک کفار مکلّف بالفروع نہیں ہیں۔ بلکہ محض ایمان کے مکلّف ہیں (۴) اس واسطے احتمال ہے کہ کفار سے افعال فروع پر مواخذہ

(۱) بُرائی کا سبب کیا ہے (۲) جس میں یہ صفت ہوگی اس کی بُرائی کی جائیگی (۳) بیکار ہوتا (۴) کفار سے مطالبہ نماز روزہ فروعی مسائل کا نہیں بلکہ ان سے مطالبہ تو ایمان لانے کا ہے اس لئے ان سے نماز روزہ کے ترک پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ ایمان نہ لانے پر پکڑ ہوگی۔

نہ کیا جاوے اور مسلمان تو ہر حالت میں اصول وفروع سب کا مکلّف ہے (۱) تو جس فعل کو کفار کے بارہ میں باوجود ان کے مکلّف نہ ہونے کے مذموم کہا گیا ہے وہ مسلمان کے لئے جو کہ مکلّف ہیں بدرجہ اولی مذموم ہوگا (۲) اس لئے مسلمانوں کو اس سے زیادہ نفرت ہونی چاہیئے اس کی ایسی مثال ہے جیسے چمار سے کوئی بیجا فعل سرزد ہو (۳) اور اس پر کہا جاوے کہ تو بڑا نالائق ہے کہ تو نے ایسی نالائق حرکت کی تو کیا کوئی شریف آدمی اس کو سن کر بے فکر ہوسکتا ہے کہ یہ شریف کو تھوڑا ہی خطاب ہے یہ تو چمار کو خطاب ہے اور کیا وہ اس حرکت کو اختیار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے تو یہ فعل زیادہ نازیبا ہوگا کہ چمار کی سی حرکت کرنے لگے۔ اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ گو آیت میں خطاب کفار کو ہے مگر مسلمان بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ہیں مگر ہم نے تو ایک یہ بھی سستا سا نسخہ یاد کرلیا ہے کہ ایسی آیات کو سن کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت تو کفر کے بارے میں ہے مسلمانوں کے بارے میں تھوڑا ہی ہے بہرحال جتنی آیتیں کفار کے حق میں ہیں ان میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے کہ جہاں وہ خصلت ہوگی وہاں مذمت بھی ہوگی اس لئے اُس سے بچنا مسلمانوں کو بھی ضروری بلکہ زیادہ ضروری ہے جیسا ابھی مذکور ہوا۔

مخاطب کوئی مقصود کوئی

حق تعالیٰ نے جہاں کہیں کسی فعل پر کفار کی مذمت فرمائی ہے تو یہ مقصود نہیں کہ مسلمانوں کو ان افعال سے بے فکر کردیا جاوے بلکہ ہم کو کفار کے واقعات سے سبق دینا مقصود ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (۴) کہ ان مذکورہ واقعات میں جن میں کفار کے قصے

(۱) مسلمان سے تو ایمان واعمال دونوں کا مطالبہ ہے (۲) مسلمانوں کے لئے تو ضرور بُرا ہوگا (۳) بھنگی کوئی بُرا کام کرے (۴) سورۂ یوسف: ۱۱۱۔

بھی ہیں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے اور ظاہر ہے کہ عبرت جبھی ہوگی جب ہم ان سے سبق لیں۔ بعض اوقات کسی مصلحت سے ایک کو مخاطب بناتے ہیں اور مقصود خطاب سے دوسرا ہوتا ہے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں (۱)

کسی کی پردہ پوشی کی وجہ سے خطاب دوسرے کو ہوتا ہے

اور بعض اوقات کسی کی شرافت کا لحاظ کر کے اس کی قدر و وقعت محفوظ رکھنے کی غرض سے دوسرے کو خطاب کیا جاتا ہے مگر اس کو بھی سنانا مقصود ہوتا ہے پس ایسے خطاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ہم عاشق ہوجاتے اور سمجھتے کہ حق تعالیٰ کی کیا رحمت ہے کہ خطاب دوسرے کو ہو رہا ہے اور ہماری پردہ پوشی فرما رہے ہیں۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ ان افعال سے ہم کو ذرا بے فکری نہ ہوتی بلکہ زیادہ نفرت ہوجاتی اور اس لئے ہم ان افعال سے زیادہ رکتے غرض ہم کو اپنی حالت میں غور کرنا ضروری ہوا اگر ہماری بھی وہی حالت ہے جو آیت میں کفار کی حالت مذکور ہے تو اس کا تدارک سخت ضروری ہے۔

اتباعِ ہوی میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

پس غور کرنے کے لئے سمجھنا چاہیئے کہ افعالِ اختیاریہ میں مرجح تین چیزیں ہوتی ہیں ایک اتباع ہوی محض (۲)، ایک اتباع ہدی محض (۳)، ایک اتباع ہدی ممزوج باتباع ہوی (۴)، اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اوپر غالب کون سی

(۱) یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ محبوب کی مجلس میں میرا ذکر دوسروں کے ذیل میں آیا (۲) صرف خواہشات نفسانی کا اتباع کرنا (۳) صرف ہدایات ربانی کا اتباع کرنا (۴) اتباع ہدایت ربانی لیکن اس میں آمیزش ہو اتباع ہوی کی۔

چیز ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے اندر اتباع ہدٰی ہے ہی نہیں۔ اتباع ہدٰی ہے مگر ممزوج ہے (۱) اتباع ہوٰی کے ساتھ اور مسلمانوں میں غالب یہی صورت ہے۔ اور کہیں کہیں ان میں اتباع ہوٰی بھی ہے باقی خالص اتباع ہدٰی تو بہت ہی کم ہے۔ کہیں صورتِ ہدٰی کو ہدٰی حقیقی سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں وہ غیر ہدٰی ہی میں داخل ہے۔ چنانچہ ہمارے بعض افعال میں محض سہولت وغضب کا اتباع ہے مثلاً کسی نامحرم کے دیکھنے کو جی چاہا اس کو دیکھ لیا کسی کا گانا سننے کو جی چاہا اس کا گانا سن کر بھی جی چاہا تو کسی کے حسن و جمال کا تصور کر کے مزہ لینے لگے۔ اس سے بحث نہیں ہم جائز کام کر رہے ہیں یا ناجائز۔ حالانکہ یہ سب صورتیں زنا میں داخل ہیں۔

زنا کی مختلف صورتیں

حدیث میں ہے: ((العینان تزنیان وزناھما النظر والاذنان تزنیان وزناھما الاستماع))(۲) الخ ''آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے'' چنانچہ اجنبی عورت کی آواز یا امرد کی آواز شہوت کے ساتھ سننا زنا میں داخل ہے۔ زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا نطق ہے (۳) غیر محرم سے بیہودہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ نفس لذت حاصل کرنے کو ایسی باتیں کرتا ہے۔ قلب بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا رغبت سے سوچنا اور خیال جمانا ہے اس سے دل میں امنگ اور تصور پیدا ہوتا ہے اس کی شکل وصورت سوچ کر مزا لیا جاتا ہے اس کو کوئی سمجھتا ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی گناہ ہے اگر کوئی بڑا ثقہ ہوا (۴) تو بدنامی سے بچنے کے واسطے یا تدین (۵) کی راہ سے اگر کبھی تحرز واحتیاط (۶) ہوتی

(۱) ملی ہوئی ہے (۲) مسند احمد: ۲/۳۷۲ (۳) نامحرم سے باتیں کرنا (۴) نیک آدمی (۵) دینداری کی وجہ سے (۶) اگر بچا جاتا ہے اور احتیاط کی جاتی ہے تو۔

ہے تو آنکھ کے زنا سے تو احتیاط ہوجاتی ہے مگر قلب کے زنا سے متقی بھی اکثر تحرز نہیں کرتے (۱) اس کو تو معصیت (۲) ہی نہیں سمجھتے۔

دل کے افعال

عموماً یہ اعتقاد ہو رہا ہے کہ جو افعال دل کے متعلق ہیں وہ حلال ہیں ان میں گناہ ہی نہیں کیونکہ دل پر اختیار نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں آپ سے غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ افعال قلب کے مراتب بھی مختلف ہیں کہ بعض افعال اختیاری ہیں اور بعض غیر اختیاری تو جن افعال کے اختیاری ہونے کو عقل بتلارہی ہے کہ اختیاری ہیں ان کی نسبت یہ کہنا کہ اختیار میں نہیں غلط ہے۔ مثلاً ہم کو یہ اختیار ہے کہ کسی بات کو سوچیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ سوچیں۔ ہاں بے سوچے خیال آجائے تو یہ غیر اختیاری ہے پس جو مرتبہ غیر اختیاری ہے اس پر بے شک مواخذہ نہیں مگر تم تو اختیاری کو غیر اختیاری سمجھے ہوئے ہو یہی معنی ہیں اس آیت کے: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (۳) مراد اس سے وہی خیالات ہیں جو قدرت واختیار میں ہوں مثلاً یہ آپ کی وسعت میں ہے کہ ایک خطرہ قلب میں آئے اور آپ اس کو ہٹا کر دوسرے خیال میں لگ جائیں (۴) اب دوسری طرف توجہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ پہلا خیال رہے یہ بے اختیاری ہے اور جو درجہ بے اختیاری ہے اس کے لئے حدیث میں ہے: ((ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا)) (۵) یہ ہے اس کی تفصیل باقی یہ سمجھنا کہ دل پر اختیار نہیں بالکل غلط ہے اور اسی غلطی نے لوگوں کو رذائل قلب کے ازالہ سے مایوس کر دیا ہے (۶)۔

(۱) نہیں بچتے (۲) گناہ (۳) ''اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہے، ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے'' سورۂ بقرہ: ۲۸۴ (۴) مثلاً آپ کے اختیار میں ہے کہ ایک وسوسہ دل میں آئے اس کو ہٹا کر دوسری طرف متوجہ ہوجائیں (۵) السنن للنسائی: ۶/۱۵۷ (۶) دل کی برائیوں کو ختم کرنے سے مایوس کر دیا۔

نماز میں حضورِ قلب اختیاری ہے

مثلاً یہ بات انسان کے قبضہ میں ہے کہ نماز میں کھڑا ہو اور قلب کو اس کی طرف متوجہ کرے مگر اس کی پرواہ نہیں کیونکہ اس کو اپنے جہل سے غیر اختیاری سمجھے ہوئے ہیں۔ اے صاحبو اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہ ہوتا تو حدیث میں نماز کے باب میں ((مقبلا علیھما بقلبہ لا یحدث فیھما نفسہ))(۱) کیوں ہوتا۔ اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہیں تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے۔ صاحبو! نماز کی طرف توجہ کرنے سے ضرور توجہ ہوگی مگر توجہ کا ارادہ بھی تو ہو۔ ارادہ کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ احضارِ قلب اختیار میں ہے اور جب یہ اختیار میں ہے تو حضورِ قلب بھی اختیار میں ہوگا کیونکہ وہ احضار کا مطاوع ہے (۲)۔

افعالِ اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں فرق

البتہ اس کے بعض مراتب اختیار میں نہیں۔ مثلاً یہ تو اختیار میں ہے کہ نماز کی طرف قلب کو متوجہ کر دے اور یہ توجہ واقع بھی ہو جاویگی لیکن دوسری طرف جو پہلے سے توجہ تھی اسکا زائل ہو جانا اختیار میں نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کی طرف توجہ کی گئی مگر دوسری چیز بھی پہلے سے دل میں موجود ہے وہ جاتی ہی نہیں یہ غیر اختیاری ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک چیز کو قصداً آنکھ سے دیکھا تو عادۃً دیکھنے والے کی شعاع بصری فقط اُسی چیز تک محدود نہیں رہتی بلکہ شعاع پھیل کر اور چیزیں بھی بلا قصد کے نظر آنے لگتی ہیں۔ سو ایک تو نظر آنا ہے یہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک نظر میں لانا ہے یہ اختیاری ہے۔ اسی طرح ذہن کو جس وقت

(۱) نماز ایسی پڑھے کہ اپنے دل سے اس پر متوجہ ہو نفس سے باتیں نہ کرے (۲) حضورِ قلب احضارِ قلب کے تابع ہے جب دل کو متوجہ کرے گا تو حضورِ قلب حاصل ہو جائے گا۔

کوئی شخص ایک جانب متوجہ کرتا ہے تو مقصود بالتصور تو وہ چیز ہوتی ہے مگر دوسری چیزیں بھی بلا اختیار خیال میں آجاتی ہیں جن کو یہ قصداً ذہن میں نہیں لایا۔ بلکہ بلا قصد آگئیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں ۔ پس ذہن میں لانا یہ تو اختیاری ہے اور آنا اختیاری نہیں۔

حضورِ قلب میں لوگوں کی غلطی

بعض لوگوں کو اس مقام پر یہ غلطی واقع ہوگئی ہے کہ وہ قلب کا متوجہ کرنا اس کو سمجھتے ہیں کہ دوسری چیز کا تصور ہی ذہن میں نہ رہے اور کوئی چیز حاضر ہی نہ ہو اور اسی لئے اپنے کو اس میں ناکام دیکھ کر توجہ مامور بہ (۱) کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی چیز کو قصداً دیکھیں اور شعاع کا قصدی تعلق بھی اُسی سے ہو کسی اور چیز سے نہ ہو مگر ایسا ممکن نہیں کہ شعاع کسی اور چیز کی طرف بلا قصد بھی منصرف نہ ہو (۲)۔ اسی طرح ذہن کی شعاع بھی ایک ہی چیز پر مقصود نہیں رہتی۔ بس یہاں بھی یہی قصد کیجئے کہ توجہ نماز کی طرف ہو اگر اس کے بعد دوسری چیزیں بھی آپ کے ذہن میں از خود آجائیں تو اس کو مانع حضورِ قلب نہ سمجھئے۔ یہ دوسری چیزوں کا آجانا لوازم عادت سے ہے۔

حضورِ قلب سے مایوسی کا سبب

اب تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حضورِ قلب ایسا ہو جسے ہم حضورِ قلب سمجھیں حالانکہ حضورِ قلب کے یہ معنی نہیں جس کو لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔ دیکھئے ناواقفیت سے کتنی بڑی خرابی ہوگئی کہ امر اختیاری کو غیر اختیاری سمجھ لیا گیا۔ اور اس کا اہتمام چھوڑ دیا۔ پس ایک سبب حضورِ قلب سے مایوس ہوجانے کا یہ بھی ہے کہ ذہن پر اس

(۱) جتنی توجہ کرنے کا حکم ہے وہ بھی نہیں کرتے (۲) بلا ارادہ شعاع کسی دوسری چیز کی طرف پھر جائے۔

کے حصول کے لئے اس قدر زور ڈالتے ہیں کہ ذہن ادھر اُدھر جانے ہی نہ پائے۔ حالانکہ ذہن میں خطرات کی لہریں اٹھتی ہیں جیسے سمندر میں مد وجزر (جوار بھاٹا) کہ اس کے لئے سخت بند کی ضرورت ہے۔ اور بند میسر نہیں ہے۔ مبالغہ تو بہت کرتے ہیں اس کی روک تھام کا مگر کہاں تک کر سکتے ہیں آخر ذہن تھک جاتا ہے۔ اور یوں سمجھ لیتے ہیں کہ حضور قلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے چھوڑ ہی دو اس کے بعد ارادہ ہی نہیں کرتے۔ یہ مبالغہ کرنے کا نتیجہ ہے اس لئے مبالغہ نہ کرنا چاہیئے۔

حضورِ قلب کا مطلوب درجہ

میں اس کو ایک مثال سے واضح عرض کرتا ہوں کہ قلب کا کتنا حاضر کرنا ضروری ہے۔ دو حافظ تجویز کر لیجئے ایک تو ایسا جسے قرآن مجید اس طرح یاد ہے کہ شروع کرتے وقت تو توجہ اور قصد کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر سوچنے کی ضرورت نہیں مشین کی طرح نکلتا ہوا چلا جاتا ہے جیسے ہم الحمد پڑھتے ہیں کہ ادھر شروع کی اور اُدھر ختم سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی۔ اور ایک وہ حافظ ہے جسے قرآن کچا یاد ہے ظاہر ہے کہ وہ ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا۔ جیسے ناظرہ خوانوں میں سے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو تو وہ ہر ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا۔ بے سوچے نہیں پڑھ سکتا تو اس کچے حافظ کو جتنی توجہ ہر لفظ کے پڑھنے میں ہوتی ہے بس اتنی ہی توجہ کا نماز میں انسان مکلّف ہے اور یہی کافی ہے۔ بتلایئے اتنا متوجہ کر دینا قلب کا کیا محال ہے اور کیا دشوار ہے، بس یہی درجہ مامور بہ ہے۔ بہر حال یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دل پر مطلقاً اختیار نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ بعض مراتب اختیار میں ہیں اور بعض نہیں جس کو میں نے مفصل عرض کر دیا۔

دل پر اختیار کا مطلب

اسی طرح یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ جس کا خیال قصداً دل میں لائیگا خواہ کسی اجنبی عورت کا یا کسی امرد کا۔ تو اس پر مواخذہ ہوگا کیونکہ قلب کو دوسری طرف متوجہ کرنا اس کے اختیار میں تھا اسی کو فرماتے ہیں: ((والقلب یزنی)) کہ دل بھی زنا کرتا ہے یعنی سوچ کر مزے لیتا ہے ایسے وقت میں واجب ہوگا کہ اپنے قلب کو دوسری طرف متوجہ کردے پھر اگر دوسری طرف متوجہ کرنے کی حالت میں بھی پہلی توجہ کا اثر رہے جس کا دور کرنا اس کے اختیار میں نہیں تو اس پر مواخذہ نہیں اسی کے بارے میں ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[1] یہ حقیقت ہے اس کی اب بتلائیے یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ قلب پر اختیار نہیں بے شک قلب پر اختیار ہے مگر بہت لوگ اس سے غافل ہیں وہ فعلِ قلب کو مطلقاً گناہ ہی نہیں سمجھتے اور بعض اس کو گناہ تو سمجھتے ہیں مگر ہدٰی کا اتباع یعنی اس کی شرعی تدبیر نہیں کرتے۔

شہوت میں ہماری حالت

چنانچہ شہوت کے باب میں ہماری یہی حالت ہے کہ ہوٰی کا اتباع کرتے ہیں۔ ہدٰی کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اپنی نگاہ تک کو محفوظ نہیں رکھتے حالانکہ لازم یہ تھا کہ جس وقت شہوت کا تقاضا ہو اس وقت ہدٰی کو پیش نظر کریں یعنی ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کے ارشاد کو سوچیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾[2]

---

(۱) ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اُسی کا جو اُس کی طاقت میں ہو'' سورۂ بقرہ: ۲۸۶ (۲) ''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے'' سورۂ نور: ۳۰۔

نظر بد زنا کا مقدمہ ہے

حالانکہ سب سے اول مقدمہ اس بیہودگی (یعنی زنا) کا بھی نظر ہے۔ اول نظر ہی پڑتی ہے پھر وسوسے آتے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ ابتدائی مقدمہ کا پورا انسداد کرے یعنی نگاہ کو پست رکھے پھر اور مفاسد اس پر مرتب ہی نہ ہوں گے اسی واسطے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا: (النظر سھم من سھام ابلیس) کہ "نظر ایک تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے" یہ ایسا تیر بے کمان ہے کہ نشانہ سے خطا ہی نہیں کرتا۔ اور پھر یہ کہ تیر تو چلایا اس نے مگر لوٹ کر اسی کے چبھ گیا۔ یہ ایسے غضب کی چیز ہے کہ اسکا مارا ہوا بہت کم بچتا ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے اول اسی کا انسداد فرمایا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ﴾ "آپ مومنین سے کہیئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں" یہ غض بصر مقدمہ ہے زنا سے محفوظ رہنے کا (۱) باقی اگر کوئی شخص کہے کہ اندھے بھی تو زنا میں مبتلا ہوتے ہیں تو میں جواب میں حصر کا دعوٰی کرتا ہوں کہ بدوں نگاہ کے وہ بھی زنا میں مبتلا نہیں ہوتے جہاں کہیں بھی زنا میں ابتلاء ہوگا نگاہ ہی (۲) کی وجہ سے ہوگا البتہ نگاہ عام ہے خواہ نگاہ حقیقی ہو یا تقدیری۔ اندھوں کے نگاہِ تقدیری ہوتی ہے۔ اندھے سوچتے ہیں۔ تصور کرتے ہیں صورت کو نگاہ میں لاتے ہیں۔ یعنی نگاہِ قلب سے اس کو دیکھتے ہیں اور تصور سے مزے لیتے ہیں پھر زنا پر اقدام کرتے ہیں عادۃً یہ ممکن نہیں کہ صورت کی طرف بالکل التفات نہ ہو اور پھر ایسی بیہودگی سرزد ہو محض توجہ بلاواسطہ صورت سے کسی کی طرف رغبت نہیں ہوتی بلکہ یہ اندھے اپنے تصور میں امور خارجیہ سے استدلال کرتے ہیں اُسکی صورت پر کہ وہ ایسی ہے اور ویسی ہے اس طرح دل کو رغبت ہوتی ہے غرض میں حصر کا دعوٰی کرسکتا ہوں کہ شہوت کے متعلق جو خرابی ہوتی یہ نگاہ ہی

(۱) نظریں نیچی رکھنا زنا سے بچنے کا ذریعہ ہے (۲) جو بھی زنا میں مبتلا ہوگا نگاہ کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔

سے ہوتی ہے۔ اس لئے نگاہ کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

بعض لوگ دُزدیدہ نظری (۱) سے کام لیتے ہیں

مگر بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ نگاہ تو برائے نام نیچی کر لیتے ہیں مگر دُزدیدہ نظر سے کام کر رہے ہیں بزعم خود ﴿یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ پر عمل ہے (۲) مگر خدا کے خوف سے نہیں بلکہ محض نمائش کے لئے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ نگاہ بازی کرتے ہیں نگاہ تو نیچی کر لی مگر شعاعوں کو نہیں ہٹاتے حالانکہ شعاعوں کے ہٹانے پر قدرت ہے مگر یہاں تو یہ حالت ہے کہ خود ادھر اُدھر گوشۂ چشم سے شعاعوں (۳) کو نکالتے ہیں اور ان ہی سے اپنا مقصود حاصل کر لیتے ہیں اسی کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ﴾ (۴) خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ مخلوق کے دکھانے کو نیچی نظر کر لینا کافی نہیں مخلوق کو تو بہکا لوگے مگر خدا کو کیسے دھوکا دے سکتے ہو ۔

گہہ گہہ آہے ودوغے میزنی ۔۔۔ از برائے مسکہ دوغے میزنی
خلق راگیرم کہ بفریبی تمام ۔۔۔ درغلط اندازی تاہر خاص و عام
کارہا باخلق آری جملہ راست ۔۔۔ باخدا تزویر وحیلہ کے رواست
کارہا اور است باید داشتن ۔۔۔ رایتِ اخلاص وصدق افراشتن (۵)

خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا چاہیئے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

(۱) کن انکھیوں سے دیکھتے ہیں (۲) اپنے گمان میں اس حکم پر کہ "اپنی نظریں نیچی رکھو" عمل پیرا ہیں (۳) کن انکھیوں سے دیکھ کر کام چلا لیتے ہیں (۴) اللہ تعالیٰ آنکھوں سے خیانت کرنے والے کو جانتے ہیں (۵) تو کبھی کبھی جھوٹی آہ کھینچتا ہے گویا مکھن حاصل کرنے کے لئے چھاچھ بلوتا ہے فرض کیا تو نے ساری مخلوق کو دھوکا دے ہی دیا مگر خدا کو کہاں دھوکا دے سکتا ہے مخلوق کے ساتھ تیرے سارے کام درست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب درست ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ جملہ کام درست رکھنے چاہئیں غایت اخلاص وصدق کے ساتھ۔

﴿یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾(۱) کہ ’’اللہ تعالیٰ خیانت والی آنکھوں اور دلوں کے بھید کو بھی جانتے ہیں‘‘ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے کہ ان کی نگاہ تو ایسی آزاد نہیں نہ دیدہ بازی ہے نہ دُزدیدہ نظری(۲) ہے مگر ان کا مذہب یہ ہے ۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

دل ہی دل میں خیال جما کر مزہ لے رہے ہیں اس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں﴿وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ کو جو تمہارے دل میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں دیکھو سنبھلو تعجب ہے کہ تم نے آنکھ کی حفاظت تو مخلوق کی وجہ سے کر لی مگر جس کی اطلاع محض خدا تعالیٰ کو ہے اس کی حفاظت نہ کی یعنی دل کی۔ تو ہم کو خدا تعالیٰ کی شرم نہ ہوئی بلکہ لوگوں کی شرم ہوئی۔ یہ امور ہیں پیش نظر کرنے کے قابل، ان امور میں ہدٰی کو ہوٰی پر ترجیح دینے کا یہ طریقہ ہے کہ ایسے مواقع میں شریعت کے حکم پر عمل کرے محض اپنی خواہش و ہوٰی پر عمل نہ کرے۔ اس طرح انتظام رکھو گے تو نگاہ پست ہو جائیگی۔ (۳)

حقیقتِ معالجہ

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب تک منشا معاصی کا قلب میں موجود ہے اس وقت تک علاج کامل اور راسخ نہیں ہوتا کیونکہ محض افعال کے علاج کرنے کا تو یہ اثر ہوگا کہ چندروز کے لئے گناہ سے بچ جائیگا اور اگر کسی وقت تقاضائے نفس سے مغلوب ہو گیا تو پھر معصیت میں (۴) مبتلا ہو جائیگا چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انکا تقوٰی چندروز کے لئے کچھ دور تک چلتا ہے پھر ((کل شیء یرجع الی اصلہ)) (۵)

(۱) سورۂ مؤمن: ۱۹ (۲) نہ آنکھیں لڑاتے ہیں نہ نظریں چراتے ہیں (۳) نگاہ نیچی ہو جائے گی (۴) گناہ میں (۵) ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اس قاعدے کی رو سے۔

کے قاعدہ سے نفسانیت کی طرف لوٹ آتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے محض افعال کا علاج کیا تھا سبب کا علاج نہیں کیا حالانکہ صحیح معالجہ کی حقیقت یہ ہے کہ سبب کا ازالہ کیا جائے محض آثار کے علاج سے پورا علاج نہیں ہوتا گو مصلحت تربیت کی بناء (۱) پر اثر کو پہلے روک دیا جاتا ہے مگر اسباب کا ازالہ بھی ضروری ہے اس لئے گو افعال کا علاج بھی ضروری ہے مگر ضرورت اس کی بھی ہے کہ سبب کا بھی ازالہ ہو کہ وہ تقاضا جو قلب میں ہے اس کو زائل کیا جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ پھر کسی بلا میں مبتلا نہ کردے اس لئے ضرورت ہے کہ منشا کو دور کیا جاوے اور چونکہ تقاضے کا محل قلب ہے اس لئے علاج یہ ہے کہ قلب کی اصلاح کی جائے۔

اصلاحِ قلب کے لئے مراقبہ کی تعلیم

حق تعالیٰ نے اسی جگہ یعنی غض بصر کی آیت میں قلب کی اصلاح کے لئے بھی ایک طریقہ ارشاد فرمایا ہے یعنی ہم کو ایک مراقبہ سکھلایا ہے اس مراقبہ کو پختہ کرو تو اس مراقبہ سے خشیت (۲) پیدا ہوگی اور وہ خشیت ہی امراض قلب کا علاج ہے۔ خشیت کا ملکہ راسخ ہوجائے تو تقاضا معصیت کا نہیں رہتا (۳) اس مراقبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰی لَھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ م بِمَا یَصْنَعُوْنَ M﴾

یہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ م بِمَا یَصْنَعُوْنَ﴾ وہ مراقبہ ہے بس معصیت کے وقت اس کا مراقبہ کرلیا کرو اللہ کو سب خبر ہے۔ہم جو کچھ بھی کررہے ہیں وہ سب سے

(۱) تربیتی مصلحت کی وجہ سے (۲) خوف خدا پیدا ہوگا (۳) جب خدا کا خوف دل میں جم جائے گا تو گناہ کا تقاضا پیدا نہیں ہوگا۔

خبردار ہیں اس سے خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا پھر معصیت کی ہمت نہ ہوگی۔ کس قدر جامع تعلیم ہے سبحان اللہ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض یہ اعتقاد کرلو اللہ میاں کو سب خبر ہے بلکہ اسکا استحضار واستمرار کرنا چاہیئے یعنی دل میں ہر وقت یہ خیال حاضر رکھو کہ خدا تعالیٰ کو سب خبر ہے اس سے خوف پیدا ہوگا ہیبت ہوگی، یہ ہے اصلاح قلب جو علمِ باطن کے متعلق ہے علمِ ظاہری تو محض افعال کا انتظام کرتا ہے اور علم باطن اسباب کا علاج کرتا ہے۔

مراقبہ حال کے درجہ میں قابل اعتبار ہے اس پر ایک بزرگ کی حکایت

اور جب تک یہ مضمون حال کے درجہ میں نہ ہوا اس وقت تک قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے بعض خدام کو ﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴾ (۱) کا مراقبہ تعلیم فرمایا تھا۔ کہ اس کا مراقبہ کیا کرو انہوں نے دو چار دن ہی کے بعد آکر عرض کیا کہ وہ تو پورا ہوگیا اب اور کچھ بتلائیں وہ بزرگ ٹال گئے اور فرمایا کہ اچھا بتلائیں گے۔ ان بزرگ نے یہ چاہا کہ اس کا امتحان اس طور پر لیں کہ ان کو خبر بھی نہ ہو چنانچہ ایک دن ان کو خالی الذہن دیکھ کر بلایا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کبوتر اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا کہ ان کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو چنانچہ سب لے کر چل دیئے اور ذبح کرکے آئے بجز ایک شخص کے کہ اس نے زندہ کبوتر حاضر کیا شیخ نے امتحان کے طور پر اس شخص سے کہا کہ ایک تو یہ لوگ ہیں کہ جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہی کر لائے ایک تم مہمل ہو کہ ذرا سا کام بھی تم سے نہ ہوسکا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ میں کبوتر لئے ہوئے ہر طرف پھرا مگر

(۱) کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ تو ہر جگہ دیکھتے تھے پھر میں کیسے ذبح کرتا۔شیخ نے فرمایا کہ بس مراقبہ اس کا درست ہوا ہے باقی سب ناکامیاب ہیں۔

غرض یہ کہ جس مضمون کا مراقبہ کیا جائے وہ اس شخص کا حال ہوجانا چاہیئے۔صرف یہ اعتقاد کر لینا کہ اللہ میاں دیکھ رہے ہیں کافی نہیں پس اہل اللہ اسکا اہتمام کرتے ہیں اس کی مشق کرتے ہیں اس پر ذہن کو جماتے ہیں اس واسطے کہ قلب کی اصلاح بدوں (۱) اس کے نہیں ہوسکتی۔جب یہ چیز دل میں جم جاتی ہے تو پھر معصیت نہیں ہوتی یعنی یہ مرتبہ ہے جو معصیت سے مانع ہوتا ہے (۲) نہ یہ کہ صرف اعتقاد کر لیا جاوے یہ مرتبہ معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

حدیث کی تشریح اور رفع اشکال

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ اسی منافات کو اس عنوان سے بیان فرماتے ہیں:((لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مومن)) (۳) یعنی ”زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مومن ہو اور چوری کرنے والا چوری نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مومن ہو“ ظاہراً اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ کیا ان افعال سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے حالانکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب تک مسلمان گناہ کو گناہ سمجھے گا کافر نہ ہوگا اور حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زنا کرنے سے چوری کرنے سے کافر ہوجاتا ہے یہ اشکال ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں ایمان کا خاص مرتبہ مراد ہے حضور ﷺ اسی مرتبہ ایمان اور زنا میں منافات کو (۴) بیان فرما رہے ہیں اور وہ ایمان خاص یہ ہے

(۱) دل کی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں (۲) یہ مرتبہ ہے جو گناہ سے روکتا ہے (۳) الصحیح للبخاری :۱۷۸/۳
(۴) حضور ﷺ اس مرتبہ میں بیان فرما رہے ہیں کہ ایمان اور زنا ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

کہ جن باتوں کا اعتقاد ہے وہ درجۂ حال میں ہردم پیش نظر رہنے لگیں یہی ہے ایمان کا کمال پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ کمالِ ایمان کے ساتھ زنا جمع نہیں ہوتا یعنی کامل مومن ہوکر زنا نہیں کرسکتا۔

حضرات اہل اللہ اسی کی تدابیر کرتے ہیں کہ گناہ کا مانع راسخ ہوجائے(۱) جب وہ مانع راسخ ہوجاتا ہے تو اس حالت میں گناہ نہیں ہوتا۔

غلبہ خشیت الٰہی کا فائدہ

جس کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ جس پر خدا تعالیٰ کی خشیت غالب ہواوران کے وعدے وعید بھی پیش نظر ہوں شرم بھی دامن گیر ہواور خوف بھی غالب ہوتو پھراس سے گناہ نہیں ہوگا بلکہ جس شخص میں ان چیزوں کا غلبہ ہوا ہے اس نے اگر قصد بھی کیا ہے گناہ کا تو ان چیزوں نے اس کو بچالیا ہے چنانچہ اس کے متعلق اہل اللہ کے بہت سے قصے ہیں کہ کسی نے معصیت کا ارتکاب بھی کرنا چاہا اوران چیزوں کا غلبہ ہوا تو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔غرض اہل اللہ زیادہ تر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ قلب کی ایسی اصلاح ہوجائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمامِ اصلاحِ قلب

حدیث میں بھی اس اصلاح کا بڑا اہتمام آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله))(۲)یعنی بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہوتو تمام بدن درست ہوجاتا ہے اوراگر وہ فاسد ہوتو تمام بدن فاسد ہوتا ہے((الا وهی القلب))سن لو وہ دل ہے۔واقعی قلب کی درستی سے تمام جوارح درست ہوجاتے ہیں اور

(۱) گناہ سے بچنے کا ملکہ دل میں جم جائے (۲) الصحیح للبخاری:۱/۲۰۔

اس کے بگڑنے سے سب بگڑ جاتے ہیں افسوس ہے کہ اتنے بڑے اہتمام کی چیز اور اس سے اس قدر غفلت، ہوی جس کا نام ہے اس کا محل قلب ہی تو ہے (۱) قلب سے جب تک ہوٰی نہ نکالی جائے گی اس وقت تک کامل اصلاح قلب کی نہ ہوگی (۲)۔

ہوائے نفسانی کے زائل ہونے کے معنی

یہاں ایک ضروری بات مبحث کے متعلق سمجھنے کے قابل ہے کہ ہوائے نفسانی کے زائل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بالکلیہ جاتی رہے بلکہ زائل ہونے کے معنی اس کا مغلوب ہوجانا اور مضمحل ہوجانا ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ شہوت و ہوائے نفس کا یا نفس کے کسی داعیہ کا بالکل استیصال (۳) ہوجائے۔ کیونکہ یہ امور فطری ہیں اور فطری امور زائل نہیں ہوتے اور یہ مسئلہ بدیہیات بلکہ حسیات میں سے ہے۔ (۴) کوئی کتنا ہی بڑا کامل ہوجاوے یہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں معاصی کا میلان ہی نہ رہے میلان تو اخیر عمر تک رہتا ہے مگر خوف حق سے مغلوب ہوجاتا ہے البتہ کسی خاص حالت کے غلبہ سے کبھی نفس میلان بھی محسوس نہیں ہوتا مگر وہ حالت دائمی نہیں۔

سالکین کی پریشانی

یہ ہے وہ مسئلہ ضروریہ اور اس کے نہ جاننے سے یہ خرابی ہوتی ہے کہ اہلِ سلوک جب ہوائے نفس کو اپنی اندر موجود دیکھتے ہیں اس سے پریشان ہوجاتے ہیں ان کو یہ خیال ہوجاتا ہے کہ ہم کو اتنا زمانہ ہوگیا ریاضت و مجاہدہ کرتے ہوئے مگر

(۱) خواہشات کے پروان چڑھنے کی جگہ دل ہی تو ہے (۲) دل سے جب تک نفسانی خواہشات کو نہیں نکالا جائے گا اس وقت تک کامل اصلاح نہیں ہوگی (۳) جڑ سے اس تقاضے کو نکال پھینکا جائے (۴) یہ بات نہ صرف یہ کہ ظاہر ہے بلکہ محسوسات میں سے ہے۔

شہوت وہوٰی وغیرہ کا استیصال نہ ہوا اس پر سخت تأسف وقلق ہوتا ہے(۱) جس کا سبب حقیقت سے بے خبری ہے اور بعض کو اس سے بڑھ کر ایک بات پیش آتی ہے وہ یہ کہ بعض اوقات جبکہ آثار ذکر کا یا کسی خاص حالت کا غلبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے پہلے حالات ایسے مضمحل اور مغلوب ہوجاتے ہیں گویا معدوم ہوگئے پھر جب اس کے بعد وہ غلبۂ حال رفع ہوجاتا ہے تو وہ پہلی کیفیات پھر عود کرآتی ہیں اب جب اُن کا اُبھار شروع ہوا تو سالک کو اس پر افسوس ہوتا ہے کہ ہائے میں تو بن کر بگڑ گیا۔ ترقی سے تنزل ہوگیا مقبول ہوکر مردود ہوگیا کامیاب ہوکر ناکام ہوگیا۔ بعض اوقات شدت قبض سے خودکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے(۲)۔ بعض اوقات شیخ سے بھی غیر معتقد ہوجاتا ہے پس سمجھ لیجئے کہ یہ چیزیں یعنی نفسیات زائل نہیں ہوتیں۔ ہاں مغلوب ہوجاتی ہیں۔ بس ریاضت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کا اتنا غلبہ تھا کہ سالک کو مقاومت (۳) میں سخت پریشانی پیش آتی تھی۔ ریاضت ومجاہدہ کے بعد ایسی حالت ہوگئی کہ مقاومت کی تو ضرورت ہوگی مگر قصد کرنے پر آسانی سے نفس قابو میں آجاویگا جیسے شریر گھوڑا کہ پہلے تو دشواری سے قابو میں آتا ہے مگر شائستگی کے بعد جلد قابو میں آجاتا ہے۔ غرض یہ چیزیں اخیر عمر تک رہتی ہیں البتہ ریاضت سے مضمحل اور مغلوب ضرور ہوجاتی ہیں وجہ وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی یعنی یہ امور طبعیہ ہیں جو زائل نہیں ہوا کرتے۔

فطرت نہیں بدلتی

حدیث میں ہے:((اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا

(۱) ابھی تک ہمارے دل سے نفسانی خواہشات نہیں نکلیں اس پر ان کو افسوس وغم ہوتا ہے (۲) اس شدید گھٹن سے خودکشی تک کرنے پر راضی ہوجاتا ہے (۳) ان کا مقابلہ کرنے میں سخت پریشانی پیش آتی تھی۔

سمعتم برجل زال عن جبلته فلا تصدقوه))(۱) یعنی "اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کا یقین کرلو اور جو یہ سنو کہ کسی شخص کی فطرت بدل گئی ہے تو اس کا یقین مت کرو"۔

شبہ کا جواب

اس سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب فطرت نہیں بدلتی تو پھر ریاضت بیکار ہے(۲) کیوں مشقت اُٹھائی جائے، جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی ریاضت سے رذائل کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا۔ البتہ اخلاق میں تعدیل ہوجاتی ہے (۳) اس لئے ریاضت بے کار نہیں ہے اس کا نفع مشاہد ہے یعنی پہلے جو نفس میں اتنی خرابی تھی کہ اس کی مقاومت دشوار تھی (۴)۔ ریاضت کے بعد اس درجہ کی خرابی نہیں رہتی بلکہ مقاومت آسان ہوجاتی ہے مگر قصد پھر بھی کرنا پڑتا ہے معاصی کے چھوڑنے کا۔(۵)

لوگوں کے ایک غلط گمان کا ازالہ

لوگوں کا یہ جو گمان ہے کہ شیخ کی توجہ سے گناہ کا تقاضا ہی بالکل جاتا رہتا ہے اسی بنا پر ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ حضرت ایسی توجہ فرمائیے کہ ہم سے گناہ ہی نہ ہو۔ یہ مہمل خیال ہے۔ غرض اس حقیقت کے نہ جاننے سے سالکین پریشان ہوجاتے ہیں اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ہوائے نفس (۶) کے زائل ہوجانے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کا غلبہ جاتا رہے نہ یہ کہ بالکلیہ ازالہ ہوجائے۔

---

(۱) مسند احمد: ۶/۴۴۳ (۲) مجاہدہ بیکار ہے (۳) برے اخلاق بالکل جڑ سے ختم نہیں ہوتے بلکہ ان میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے (۴) اس کا مقابلہ مشکل تھا (۵) گناہ چھوڑنے کا ارادہ (۶) نفسانی خواہشات کے ختم ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ غلبہ نہ رہے یہ مطلب نہیں کہ خواہشات بالکل پیدا ہی نہ ہوں۔

داعی کے بقا کی حکمت

اور اس میں (یعنی داعیہ کے باقی رہنے میں) حق تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت ہے۔ وہ یہ کہ اگر داعیہ کا بالکل ازالہ ہوجاتا تو انسان صبر کی صفت سے مثلاً محروم ہوجاتا۔ دیوار کا کوئی کمال نہیں کہ وہ زنا نہیں کرتی کیونکہ اس میں تو داعیہ ہی نہیں کمال انسان کا ہے کہ داعیہ موجود ہے اور پھر بچتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ تقاضا ہو گناہ کا اور پھر بچے تاکہ فضیلت حاصل ہو۔

تقاضائے ہوٰی پر ایک قصہ

تقاضا رہنے پر ایک قصہ یاد آیا وہ یہ کہ ایک چور کسی شیخ سے بیعت ہوا اور چوری سے توبہ کی مگر خانقاہ میں اس کے رہنے سے یہ آفت نازل ہوئی کہ لوگ صبح کے وقت دیکھتے کہ کسی کے جوتے اپنے موقع پر نہیں[۱] یہاں کے وہاں ہیں اور وہاں کے یہاں ہیں ہر روز یہی آفت[۲] نازل ہونے لگی لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ کون شخص ہے اس کی تحقیق کرنی چاہیئے کہ کسی کے جوتے اپنے موقع پر نہیں ملتے، آخر لوگوں نے پہرہ دیا معلوم ہوا کہ یہی نئے مرید صاحب ہیں جو چوری سے تائب ہوئے ہیں شیخ کو اطلاع کی شیخ نے اس کو بلایا اور فرمایا بتلاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے؟ مرید نے عرض کیا کہ حضور چاہے ماریئے چاہے چھوڑیئے۔ میں نے آپ کے ہاتھ پر چوری سے توبہ کی تھی ہیرا پھیری سے تھوڑا ہی کی تھی۔ اور اصل قصہ یہ ہے کہ جب اخیر رات ہوتی ہے تو میرے نفس میں حسبِ عادت سابقہ بڑا تقاضا پیدا ہوتا ہے چوری کرنے کا۔ اور نفس کہتا ہے کہ آج چوری کرلے پھر توبہ کرلیجیو میں بہت سمجھاتا ہوں مگر کسی طرح قابو میں نہیں آتا اس میں بڑی دیر تک نفس سے مناظرہ ہوتا ہے جب بہت ہی

(۱) اپنی جگہ نہیں (۲) مصیبت۔

تقاضا ہوتا ہے مجبور ہوکر یہ کرتا ہوں کہ لوگوں کے جوتوں کو لوٹ پلٹ (۱) اور اِدھر اُدھر کر دیتا ہوں۔ اس سے نفس کو کچھ چوری کا مزہ آجاتا ہے اور تقاضا دب جاتا ہے اگر میں اس سے توبہ کرلوں گا تو پھر چوری کرنے لگوں گا اور پہلی عادت کی طرف عود کرونگا (۲)۔ اب آپ دیکھ لیجئے، شیخ نے کہا اچھا بھائی تم ایسا کرلیا کرو اور خانقاہ والوں سے فرمایا کہ تم اس مصیبت کو ایک مسلمان کی خاطر گوارا کرلو۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ شیخ کی اس تجویز پر یوں کہیں کہ شیخ نے اس بات کی کیونکر اجازت دیدی اس کو اجازت نہ دینی چاہیئے تھی۔ بات یہ ہے کہ یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں جانتے ہیں کہ بعض اوقات تقاضا کو بالکل روک دینے سے انسان پھر اصلی عادت پر چلا جاتا ہے اس لئے بعض اوقات شیخ ایسی بات کی اجازت دے دیتا ہے جس کی دلیل یہ قاعدہ فقہیہ ہے ((من ابتلی ببلتيين فليختراهو نهما)) (۳)

حکایت

اس کی تائید میں ایک شخص کی حکایت سنی ہے کہ اس کا ایک گھوڑا تھا بڑا عیبی کہ لید (۴) کر کے کھڑا ہو جاتا اور لوٹ کر لید کو سونگھنے لگتا پھر آگے چلتا اور کسی طرح نہ مانتا اتفاق سے ایک دن ایک سوار اس کا رفیقِ سفر ہوا اس نے گھوڑے کی یہ عادت دیکھی تو اس نے اپنا گھوڑا پیچھے کیا۔ پس جب گھوڑا لید سونگھنے کو مڑتا دو چار کوڑے زور زور سے رسید کرتا۔ اسی طرح خوب رستہ قطع ہوا گھوڑے والا بہت ممنون ہوا کہ آج خوب سفر قطع ہوا (۵) آخر ایک موقع پر پہنچ کر وہاں سے دونوں کے راستے پھٹتے تھے (۶) اس لئے وہ سوار الگ ہونے لگا۔ اس نے کہا خدا تیرا بھلا کرے تو نے میرے گھوڑے کو

(۱) ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتا ہوں (۲) لوٹ جاؤں گا (۳) جو دو مصیبتوں میں گھر جائے اور دونوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو تو جو ہلکی ہو اس کی اختیار کرلے (۴) اس میں عیب تھا کہ پاخانہ کر کے کھڑا ہو جاتا تھا اور واپس ہو کر اپنے پاخانے کو سونگھتا پھر آگے چلتا (۵) گھڑ سوار شکر گذار ہوا کہ آج سفر آرام سے پورا ہوا (۶) دونوں کے راستے جدا ہوتے تھے۔

درست کردیا مگر جب وہ سوار دور نکل گیا تو گھوڑا پیچھے کو لوٹا اور کئی کوس (۱) تک لوٹ کر گیا اور جہاں جہاں لید کی تھی سب کو سونگھا۔ اس طرح سے سارا دن آنے جانے میں گذر گیا۔ غرض بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت زیادہ سختی کرنے سے کامیابی نہیں ہوتی زیادہ سختی کرنے سے ایک کام تھوڑے دنوں کو تو چھوڑ دیتے ہیں پھر جتنا تقاضا جمع ہو رہا تھا سب کی ایک دم سے قضا کرتے ہیں اسی واسطے مشائخ کی نظر ہمیشہ اس حقیقت پر رہتی ہے کہ طالب کی تربیت کس طرح کرنی چاہیئے۔

مشائخ کا اندازِ تربیت

اس لئے مشائخ کبھی تدریجاً تربیت کرتے ہیں کہیں عجلت (۲) کرتے ہیں اِس کا مدار ان کے اجتہاد اور ذوق پر ہے۔ طبیب بھی بعض دفعہ علاج میں تدریج کرتا ہے کہ منضجات پلا کر مسہل (۳) دیتا ہے اور بعض اوقات فوراً مسہل دے (۴) دیتا ہے باقی اس کا موقع اور محل کہ تدریج کہاں چاہیئے اور عجلت کہاں؟ اس کو طبیب ہی سمجھتا ہے اسی طرح یہاں بھی موقع اور محل کو شیخ ہی سمجھتا ہے دوسرا کوئی اس معاملہ میں اس کا شریک یا مزاحم نہیں ہوسکتا (۵)۔

غرض اخیر تک ضعیف سا داعیہ ضرور رہتا ہے (۶)۔ مگر وہ ایسا مضمحل ہوجاتا ہے (۷) کہ اگر تھوڑا سا بھی بچنے کا قصد کرے تو وہ داعیہ اس کو گناہ میں مبتلا نہیں کرسکتا یہ سب اصلاح کے سلسلہ میں مضمون بیان کیا گیا حاصل یہ کہ اصلاحِ نفس کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اتباع ہوٰی پر قرآن میں وعید ہے اور ہوٰی کا محل ہے نفس اس لئے نفس کی اصلاح خاص طور پر لازم ہے (۸) اور اس ہوٰی کا ایک فرد

(۱) کئی میل لوٹ کر واپس گیا اور جہاں جہاں پاخانہ کیا تھا سب کو سونگھا (۲) کبھی درجہ بدرجہ تربیت کرتے ہیں اور کبھی دفعتاً (۳) پہلے ایسے دواء دیتا ہے جو مواد کو پکائے اور قابل اخراج کردے پھر دستاور دواء دیتا ہے تاکہ وہ مواد خارج ہوجائے (۴) کبھی فوراً دست آور دوا دیتا ہے (۵) اس معاملہ میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ کوئی اس سے جھگڑنے والا (۶) ہلکا سا تقاضا ضرور رہتا ہے (۷) کمزور (۸) خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے پر قرآن میں سخت سزاؤں کا ذکر ہے اور خواہشات پیدا ہوتی ہے نفس میں اس لئے اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

تو شہوت ہے جس کا کسی قدر بیان ہو چکا۔

ہوائے نفسانی کی ایک قسم غصہ

اسی طرح ایک فرد اس کا غضب ہے۔ اس میں بھی ہم ہوٰی کا اتباع کرتے ہیں ہدٰی کا اتباع نہیں کرتے (۱) اس بارے میں ہماری حالت یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچتے ہی نہیں کہ اس معاملہ میں ہدٰی اور شریعت کا حکم کیا ہے فوراً غضب کے مقتضا پر عمل کر بیٹھتے ہیں ۔ حالانکہ ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم جو کچھ کرر ہے ہیں شریعت کے موافق ہے یا نہیں اس غضب میں بھی ایک ہوٰی ہے اور ایک ہدٰی ہے (۲) غصہ میں گالی دینے کو مارنے کو سب کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے یہ ہوٰی ہے مگر اس میں بھی شریعت کا ایک حکم ہے وہ ہدٰی ہے۔ شریعت نے غصہ کے بھی حدود بتلائے ہیں۔ پس جس کو غصہ جاری کرنے پر قدرت ہو جیسے حاکم کو محکوم پر اور رئیس کو رعایا پر اور میانجی کو لڑکوں پر شریعت میں ان سب کے لئے حدود ہیں کیونکہ بعض جگہ بے جا غصہ جاری کرنے سے ہلاکت ہو جاتی ہے۔ ان کو غصہ میں ہوش نہیں رہتا کہ ہم کیا کرر ہے ہیں یہ ہے اتباع ہوٰی۔ یہاں بھی ہدٰی کو ترجیح دینی چاہیئے اور شریعت پر عمل کرنا چاہیئے۔ سو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس بات پر غصہ آیا ہے وہ بات غصہ کی ہے یا نہیں۔ اس میں قاعدہ شرعیہ سے کام لینے کی ضرورت ہے مثلاً ایک شخص نے ہمارے عیوب بیان کئے یا کسی بیجا امر (۳) پر تنبیہ کی ہم کو غصہ آ گیا کیونکہ دوسرے کا نصیحت کرنا ہماری شان کے خلاف ہے تو ایسے موقع پر شریعت سے کام لینا چاہیئے ۔ مگر ہم اس میں بھی اتباع ہوٰی ہی کرتے ہیں۔

---

(۱) خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں شریعت کی نہیں (۲) غصہ میں ایک نفسانیت کا راستہ ہے اور ایک ہدایت کا (۳) بُری بات پر۔

کانپور کا ایک دلچسپ قصہ

چنانچہ کانپور کا ایک قصہ ہے کہ ایک سب انسپکٹر صاحب نے مسجد میں نماز پڑھی جس میں رکوع وسجود وتعدیلِ ارکان ٹھیک طور سے نہیں کیا تھا(۱)۔ ایک غریب شخص بھی وہاں موجود تھے انہوں نے ان سے کہا کہ آپ نماز پھر پڑھیے آپ کی نماز نہیں ہوئی وہ ان پر بہت خفا ہوئے اور بُرا بھلا کہا۔ انہوں نے کہا کہ آپ چاہے مجھے مارلیں۔ مگر مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ خراب نماز پڑھنے سے آپ مستحق عذاب ہوں ۔ میں آپ سے پڑھوا کر چھوڑوں گا اس شوروغل میں کچھ لوگ جمع ہوگئے اور سب انسپکٹر سے کہا کہ بھلے مانس یہ تو آپ کے فائدہ کو کہہ رہے ہیں دوبارہ پڑھ لینے میں آپ کا کیا حرج ہے۔ غرض انہوں نے نماز دُہرائی ۔ یہ نصیحت کرنے والے صاحب ایک غریب آدمی عطر تیل کی تجارت کرتے تھے۔ لوگوں نے اس واقعہ کے بعد ان کی بڑی قدر کی ان کو تبرکاً اپنی دکانوں پر بٹھاتے اور ان سے عطر تیل خریدتے ۔ اور جو دام کہتے وہی دیتے (۲)۔

دیکھو دین بھی جو کہ اتباع ہدٰی ہے کیسی برکت کی چیز ہے کہ دنیا بھی درست ہوگئی۔ مگر ان صاحب کو (یعنی سب انسپکٹر صاحب کو) کتنا غصہ آیا کہ ناصح کو بُرا بھلا بھی کہا مارا پیٹا بھی ۔ یہاں تک لوگوں میں شوروغل مچ گیا ان کا یہ غصہ اتباع ہوٰی تھا کہ داروغہ جی کو نصیحت پر بھی غصہ آ گیا حدودِ شریعت کو نہ دیکھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور زیادہ تر سبب ایسے غصہ کا کبر ہے اس کا علاج اپنی حقیقت میں غور کرنا ہے۔

حکایت

جیسا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص فاخرہ لباس (۳)

(۱) ہر رکن کو اطمینان سے ادا نہیں کیا (۲) جتنے پیسے مانگنے دیدیتے (۳) عمدہ لباس میں ملبوس۔

میں اکڑتا ہوا چلا جارہا تھا۔ ایک بزرگ نے ناصحانہ کہا کہ میاں ذرا تواضع کے ساتھ چلو تو وہ کہتا ہے کہ تم مجھے نہیں جانتے، میں کون ہوں، یہ بولے ہاں جانتا ہوں آپ کون ہیں تمہاری حقیقت یہ ہے ؎

اولك نطفة قذرة و آخرك جيفة مذرة

وانت بين ذلك تحمل العذرة

تمہاری ابتدائی حالت تو یہ ہے کہ ایک نطفۂ ناپاک تھے اور آخری حالت یہ ہوگی کہ ایک سڑے ہوئے مردار ہو جاؤ گے اور درمیانی حالت یہ کہ دو سیر سے کم پاخانہ تمہارے پیٹ میں نہیں۔حقیقت میں یہ باتیں ایسی ہیں کہ غضب(۱) کے وقت ان پر غور کرنا چاہیئے۔کیونکہ منشا غضب کا اکثر کبر ہے (۲) اور کبر کا منشا اپنی حقیقت سے بے خبری ہے (۳) یہ تو علمی علاج ہے۔

غصہ کے بارے میں ایک گُر

اب میں غصہ کے بارے میں ایک گُر بتلاتا ہوں جو عملی علاج ہے جو دستور العمل بنانے کی لائق ہے وہ یہ کہ غصہ آتے ہی فوراً نافذ کرنا شروع نہ کردے۔ ذرا ٹھہر جائے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹادے یا خود وہاں سے ہٹ جائے جب جوش جاتا رہے اب فیصلہ کرے کہ اس شخص کو کیا سزا دی جائے مگر اس فیصلہ کے لئے علمِ دین کی ضرورت ہوگی وہ بتلائیگا کہ یہ موقع غصہ نافذ کرنے کا ہے یا نہیں، پھر موقع ہونے پر سزا کتنی ہونی چاہیئے اس کے بعد جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ بجا ہوگا اور ان سب باتوں کا فیصلہ سکون کی حالت میں کرے غصہ میں نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے:((لا يقضي القاضي وهو غضبان))(۴) کہ قاضی غصہ کی

(۱) بوقت غصہ (۲) غصہ آنے کا اصلی سبب تکبر ہے (۳) تکبر کرنے کا اصل سبب اپنی حقیقت سے ناواقفیت ہے

(۴) السنن لابن ماجة:۲۳۶۔

حالت میں فیصلہ نہ کرے بلکہ خوب سوچے اور معاملہ پر نظر ثانی بھی کرے۔ یہاں بھی علمِ دین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح میانجی کو چاہیئے کہ فوراً سزا دینا نہ شروع کردیں یہ بھی سکون کی حالت میں فیصلہ کریں جب جرم ثابت ہوجاوے تو سزا بھی حکم شرعی سے تجویز کریں کہ ایک لکڑی مارنی چاہیئے یا دو یا تین۔ گو نفس اس پر راضی نہ ہوگا کیونکہ اسکا مزہ تو اس میں ہے کہ دھنیے کی طرح دُھنتا چلا جائے (۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مزے کے لئے مارتے ہیں سزا کے لئے نہیں۔

مقتضا پر عمل کی شرائط

ایک بات جو پہلی بات کا تتمہ ہے یہ بھی ہے کہ جب غصہ آئے تو یہ بھی سوچیں کہ کہ آیا سزا دینا واجب ہے یا جائز۔ اگر واجب ہو تو اس آیت پر عمل کرے: ﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ (۲) زنا کار کے لئے فرماتے ہیں کہ اس پر شفقت غالب نہ آنی چاہیئے پس اگر شرعاً سزا واجب ہو تو سزا دینا واجب ہے شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بے حکم شرع آب خوردن خطاست وگرخوں بفتوی بریزی رواست (۳)

اور یہ اس صورت میں ہے جب موجب سزا اپنا حق نہ ہو بلکہ حق اللہ ہو (۴) اور اگر اپنا حق ہو کہ کسی نے ہمارا نقصان کیا تھا یا ہماری نافرمانی کی تھی تو اس وقت کامل درجہ اتباع ہدیٰ کا یہ ہے: ﴿فَمَنْ عَفٰى وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (۵) یعنی اپنا حق معاف کردے گو یہ بھی جائز ہے کہ بدلہ لے لئے لیکن اگر معاف کردے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور معاف کرنا چونکہ نفس پر شاق ہے۔

(۱) جیسے روئی پیٹنے والا روئی کو دُھنتا (مارتا رہتا) ہے (۲) حدود اللہ کے نفاذ میں تم پر شفقت غالب نہ آنی چاہیئے (۳) شریعت کی بغیر اجازت پانی پینا بھی غلطی ہے اور اگر شریعت خون بہانے کا حکم کرے یعنی جہاد کا یا قربانی کا تو وہ بھی واجب ہے (۴) سزا کا باعث حقوق اللہ میں کوتاہی ہو (۵) جس آدمی نے اپنا حق معاف کردیا تو اس کا اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

مراقبات برائے دفع غصہ

اس کے لئے بعض مراقبات کی بھی ضرورت ہے مثلاً یہ سوچ کہ اے نفس کیا تو مجرم نہیں ہے؟ پھر یہ کہے کہ جتنی تجھ کو اس پر قدرت ہے خدا تعالیٰ کی تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے، پھر یہ سوچ کہ تو اپنے جرم کے لئے کیا چاہتا ہے؟ معافی چاہتا ہے یا سزا، یقیناً معافی چاہتا ہے تو جیسے تو اپنے لئے معافی چاہتا ہے۔ اسی طرح تجھ کو دوسروں کے لئے بھی معافی کو پسند کرنا چاہیئے اور یہ بھی سوچ کہ اگر تو خطا معاف کر دیگا تو حق تعالیٰ تیری خطا معاف کر دینگے۔

حکایت

ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ زیادہ پابند اعمال کا نہ تھا مگر ایک کام یہ کیا کرتا تھا کہ جب لوگوں کو قرض دیتا تو مہلت بھی دیدیتا اور اگر مقروض کے پاس ادا کرنے کو نہ ہوا تو معاف کر دیتا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ گو اس کے اعمال زیادہ نہیں مگر جب یہ باوجود عجز و احتیاج (۱) کے ہمارے بندوں کے ساتھ سہولت کرتا تھا تو ہم تو قادر ہیں ہم بھی اس کے ساتھ سہولت ہی کریں گے اس لئے ہم نے اپنا سب حق معاف کیا۔

بہر حال ان مراقبات کے بعد غصہ کو ضبط کر دینا یا مجرم کو معاف کر دینا سہل ہو جاویگا اور یہ ضبط اور معافی علاوہ تکمیل اخلاق کے موجب اجر و ثواب بھی ہے اور واقعی قدرت کے وقت غصہ کو پی لینا اور معاف کر دینا ہے بھی بڑا کام، اس کے فضائل بھی بہت وارد ہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

---

(۱) عاجز اور محتاج ہونے کے باوجود۔

گفت عیسی را یکے ہشیار سر　　چیست در ہستی زجملہ صعب تر
گفت اے جان صعب تر خشم خدا　　کہ ازو دوزخ ہمے لرزد چو ما
گفت از خشم خدا چہ بود اماں　　گفت ترک خشم خویش اندر زماں(۱)

داعیہ بعد ریاضت کے بھی باقی رہتا ہے اور اُس کی دلیل

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾(۲) اس میں علاوہ فضیلت ضبط کے ایک دلیل بھی ہے اس دعوی کی جو اوپر کیا گیا ہے کہ داعیۂ انتقام تو نفس میں رہتا ہے(۳) مگر ریاضت سے مقاومت آسان ہوجاتی ہے(۴) کیونکہ حق تعالیٰ نے ﴿اَلْكَاظِمِيْنَ﴾ فرمایا ہے کہ وہ غصہ کے پینے والے ہیں یعنی غصہ تو آتا ہے مگر پی جاتے ہیں۔ فاقدین الغیظ نہیں فرمایا کہ ان کو غصہ ہی نہیں آتا۔

حالت غضب میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ آپ کے یہاں چند مہمان تھے کھانے کا وقت آیا۔ غلام کھانا لایا۔ اتفاق سے شوربے کا پیالہ لئے ہوئے تھا کہ فرش پر سے پاؤں پھسلا پیالے میں سے گرم گرم شوربا آپ کے چہرہ مبارک پر گر پڑا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیسا منظر تھا۔ اس وقت کے اہلِ جاہ اپنے دل میں ٹٹولیں(۵) کہ ایسے موقع پر وہ کیا کرتے، آپ نے کچھ نہیں کیا مگر بمصلحت تعلیم نظر تادیب(۶) سے اس کی طرف دیکھا اس کی زبان پر فوراً یہ جاری ہوگیا

(۱) ایک ہوشیار عقلمند شخص نے حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھا کہ انسان پر سخت ترین چیز کیا ہے؟ فرمایا کہ خدا کا غصہ، کہ جس سے دوزخ بھی کانپتی ہے پوچھا کہ اللہ کے غصہ سے آدمی کیسے بچ سکتا ہے جواب دیا کہ زمانے میں اپنے چھوٹوں پر غصہ کرنا ترک کردو (۲) ''اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے'' سورۂ آل عمران:۱۳۴ (۳) بدلہ لینے کا تقاضا تو دل میں ہوتا ہے (۴) مگر مشق کرنے سے اس تقاضے کا مقابلہ کرنا آسان ہوجاتا ہے (۵) صاحب قدر و منزلت لوگ سوچیں (۶) ایک تہدیدی نگاہ سے اس کو دیکھا۔

﴿ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ ﴾ اللہ کے خاص بندے غصہ کو پینے والے ہیں آپ نے فرمایا: (کظمت غیظی) کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا پھر غلام نے کہا ﴿ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ اور وہ لوگوں کو معاف کردیتے ہیں آپ نے فرمایا: (عفوت عنك) کہ میں نے تجھے معاف کیا، پھر اُس نے کہا ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴾ اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔آپ نے فرمایا ((قد اعتقتك لوجه اللّٰه)) کہ میں نے تجھ کو اللہ کے واسطے آزاد کیا۔

حضرات یہ نمونے ہیں اقتداء کے لئے اب یہ سوچو کہ ہم میں ان حضرات سے زیادہ کونسی فضیلت ہے جو غصہ میں آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔

غصہ فرو ہونے کی تدابیر

اور غصہ فرو ہونے کے لئے علاوہ مراقبات واعمال مذکورہ کے بعض اور اعمال بھی ہیں ایک یہ کہ جب غصہ آئے تو زمین پر لیٹ جائے حدیث میں ہے: ((فليتلبسه بالارض)) کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس سے غصہ کم ہوجاویگا گو گم نہ ہوگا (۱)۔ ہاں جیسی اس وقت اس کے شباب کی (۲) حالت تھی وہ نہ رہے گی اور راز اس کا یہ ہے کہ غصہ جاری کرنے کے لئے دست و پا کی حرکت کی بھی ضرورت ہوتی ہے (۳) اور اس نے اس کو بیکار کردیا تو غصہ کم ہوجاویگا۔ دوسرے اس کو قرب ہوگا زمین سے اور زمین میں خاصیت ہے خاکساری اور عجز پیدا کرنے کی جو غصہ کی ضد ہے۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ پانی پی لے۔

تیسری تدبیر یہ ہے کہ کچھ دیر تک اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھتا رہے اور فقط زبان سے پڑھنا کافی نہیں بلکہ یہ بھی سوچے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور بُری چیز ہے اور غصہ کے بُرے ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی آپ نے غصہ جاری

(۱) کم ہوجائے گا اگرچہ ختم نہیں ہوگا (۲) البتہ جیسا اس میں جوش وخروش تھا وہ نہیں رہیگا (۳) ہاتھ پیر کو حرکت دینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

کیا ہوگا تو بعد میں پشیمانی(۱) ضرور ہوئی ہوگی الا نادراً (۲) ایک تدبیر یہ ہے کہ جس پر غصہ آیا ہے اس کو سامنے سے ہٹادے اگر وہ نہ ہٹے تو تم ہٹ جاؤ۔

یہ تدابیر ہیں غصہ فرو کرنے کی اور یہ ہے اس باب میں اتباع ہدٰی۔ بزرگانِ دین نے اللہ والوں نے نفس کے ایسے ایسے علاج کئے ہیں اور بڑے بڑے موقع پر ضبط کیا ہے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ضبط غصہ

مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید نصیحت کرنے میں تیز مشہور تھے بعض لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ تیزی نفسانیت کا جوش ہے آپ ایک دفعہ مجمع میں وعظ فرمارہے تھے کہ ایک بے ادب شخص نے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ حرام کی پیدائش ہیں آپ نے اسی لہجہ میں جو وعظ کا لہجہ تھا نہایت متانت سے جواب دیا کہ بھائی کسی نے تم سے غلط کہا ہے۔ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں تمہارا جی چاہے تو میں ان سے گواہی دلوادوں کہ ان کے سامنے نکاح ہوا تھا اور نکاح کے بعد اَلْوَلَدُ لِلْفِراشِ حکم شرعی ہے۔(۳) کیا انتہا ہے اس تواضع کی، اس شخص کی یہ بات تمام سامعین کو سخت گراں گذری خصوصاً جان نثاروں کو تو نہ معلوم کیسا ہیجان ہوا ہوگا۔ مگر مولانا نے استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ تحمل سے کام لیا اسکا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ آپ کا غصہ نفس کے لئے ہے آج معلوم ہوگیا کہ آپ غصہ نفس کے لئے نہیں کرتے۔ غرض بزرگوں کی بڑی بڑی حکایتیں ہیں کہ انہوں نے کس طرح غصہ کو ضبط کیا ہے۔

بزرگوں کے ساتھ تمسخر واستہزاء کی سزا

ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں گئے اور یہ کہا کہ آپ کے والد صاحب کا

(۱) شرمندگی (۲) شاید بہت کم ایسا ہوا ہو کہ شرمندگی نہ ہوئی ہو (۳) بچہ اسی کا شمار ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ یعنی جن دو کا نکاح ثابت ہو تو ان کے بچے کو حرامی نہیں کہہ سکتے۔

انتقال ہوگیا ہے اور آپ کی والدہ صاحبہ بیوہ رہ گئیں اور سنا ہے کہ وہ نہایت حسین ہیں۔ آپ ان سے میرا نکاح کردیجئے وہ بزرگ جواب میں فرماتے ہیں کہ میری والدہ نابالغ نہیں ہیں بلکہ بالغ اور ثیّبہ ہیں(۱) میں ان سے پوچھتا ہوں اگر وہ راضی ہوجائیں تو مجھے کیا انکار ہے، اُس نے کہا تو پھر گھر میں جاکر پوچھ لیجئے، آپ گھر میں جانے لگے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تھے اتفاق سے ان بزرگ نے چلتے چلتے مڑکر جو دیکھا تو وہ شخص گرا ہوا مرا ہوا پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے صبر نے قتل کردیا۔ اس کا مقصود نکاح کرنا نہیں تھا بلکہ ان بزرگ کے ساتھ تمسخر(۲) واستخفاف ہنسی کرنا تھا کیا انتہا ہے اس حلم وضبط کی، مگر یہ حضرات جتنا حلم کرتے ہیں اتنا ہی خدا تعالیٰ ان کی طرف سے انتقام لیتے ہیں حدیث میں ہے: ((من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب)) (۳) عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
بادردکشاں ہر کہ در افتاد براُفتاد(۴)

کسی شخص کو اول تو کسی کے ساتھ بھی دل آزاری کا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے خاص کر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ تو ہرگز ایسا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنۂ پاکاں برد (۵)

جب طعنہ بھی جائز نہیں تو بھلا اور ایذا تو کیسے جائز ہوگی۔

بچوں کو پڑھانے والوں کی حالت

اوپر ذکر تھا غصہ میں بے اعتدالی کا اسی کا خلاصہ پھر عرض کرتا ہوں کہ غصہ

(۱) یعنی کنواری نہیں ہیں اس لئے ان سے پوچھنا ضروری ہے (۲) ان کا مذاق اڑانا (۳) جو میرے اولیاء سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کے لئے اعلان جنگ ہے (۴) میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اللہ اس دنیا ہی میں بدلہ دیتے ہیں کہ جو کسی کو کسی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے خود بھی اسی میں مبتلا ہوتا ہے (۵) جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دل میں نیک لوگوں پر طعنہ زنی کا تقاضا پیدا ہوجاتا ہے۔

کو جاری کرنے میں حدود سے خارج ہو جانا بہت بُرا ہے مگر ہماری یہ کیفیت ہے کہ جب غصہ آتا ہے تو کچھ بھی نہیں دیکھتے بس یہ چاہتے ہیں کہ دل ٹھنڈا کرلیں خاص طور پر میانجی صاحبان (۱) کی تو عموماً یہی حالت ہے۔آج کل اسکولوں میں تو کسی کی مجال نہیں کہ ایسی کارروائی کرے (۲) مگر مکاتیب میں طرح طرح کی سزائیں ایجاد کی جاتی ہیں اس پر طرہ یہ کہ بیوی سے تو لڑکر آئے اور غصہ اُتاریں لڑکوں پر، پھر جرم تو کیا ایک لڑکے نے اور پیٹیں گے سب کو اسی طرح بعض ظالم نوکروں کی بُری طرح خبر لیتے ہیں اُن کو ٹھوکریں مارتے ہیں۔

قیامت میں بے جا غصہ کا انجام

اس کا نتیجہ عنقریب یہ ہوگا کہ آج وہ مظلوم اور مغلوب ہیں مگر قیامت میں غالب ہوں گے۔حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے غلام چوری کرتے ہیں خیانت کرتے ہیں ۔ میں ان کو مارتا ہوں میرا ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں ترازو کھڑی کی جاویگی ایک پلہ میں ان کی خطائیں اور ایک پلہ میں تمہاری سزا رکھی جاویگی جو پلہ بھاری ہوگا اسی کی موافق عمل ہوگا۔انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سب کو آزاد کیا۔ میں اپنا کام آپ کرلیا کرونگا۔یہ ان صحابی کا غلبہ حال تھا حضور ﷺ کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ اعتدال ہونا چاہیئے۔

ماتحتوں کی خطا معاف کرنے کی تعلیم

کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے ماتحتوں کی کتنی خطائیں معاف کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دن رات میں سو دفعہ،مراد یہ ہے کہ کثرت

(۱) بچوں کو قرآن پڑھانے والے (۲) آج کل اکثر مدارس دینیہ اور مکاتیب قرآن میں بھی مارنے پر پابندی لگادی گئی جیسے دارالعلوم ہذا میں۔

سے معاف کیا کرو۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ایسی نہیں کہ اس تعلیم پر عمل کرنے سے کسی کی مصلحت میں کسی قسم کا بھی خلل پڑے اس میں سب کی رعایت ہے اس لئے خاص سو کا عدد مراد نہیں مراد یہ ہے کہ بعض لوگ جو خفیف خفیف باتوں پر تشدد کرتے ہیں (۱) اور تسامح (۲) جانتے ہی نہیں یہ نہیں چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی امر میں اتباع ہوٰی سے کام نہ لے بلکہ اتباع ہدٰی کا اہتمام رکھے (۳) یہ حالت مذکورہ ہماری شہوت اور غضب کی ہے۔

بدعات ورسوم کو روکنے کی بہترین ترکیب

اسی طرح ہماری اور باتیں بھی ہیں کہ ان میں زیادہ حصہ اتباع ہوٰی کا ہے چنانچہ خرچ ہی کو دیکھ لو کہ چھوٹی چھوٹی تقریبوں میں کیسی دھوم دھام کرتے ہیں۔ اسکا منشا صرف جوش مسرت ہی نہیں بلکہ تفاخر بھی مقصود ہوتا ہے چنانچہ شادی کے علاوہ غمی میں دل تو غم میں مبتلا ہوتا ہے پھر چالیسواں اور چھ ماہی اور برسی وغیرہ سب کچھ دھوم دھام سے کیوں کیا جاتا ہے، اگر اس کا سبب تفاخر نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک رئیس نے ایک موقع پر خوب حقیقت کھولی قصہ یہ ہے کہ ان کے باپ مرگئے اُس مقام پر چالیسویں کی رسم حسب حیثیت بڑے پیمانہ پر ادا کی جاتی تھی چنانچہ ان کے یہاں بھی چالیسویں کا بڑا سامان ہوا ان کے احباب اور قرابت دار جمع ہوئے کوئی مہمان ہاتھی پر چڑھ کر آیا کوئی گھوڑے پر کوئی رتھ (۴) میں کوئی بہلی (۵) میں کوئی پالکی (۶) میں۔ ان کو مجبوراً سب کا سامان کرنا پڑا کھانے کے لئے ایک وسیع ہال تجویز کیا گیا فرش بچھا کر کھانا چننا شروع کیا (۷)۔ بہت دیر میں کھانا چنا گیا (۸) عمدہ عمدہ اور نفیس رنگ برنگ کے کھانے تھے بسم اللہ کا وقت آیا تو ان رئیس نے کہا کہ صاحب مجھے کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ یہ کاہے کی

(۱) چھوٹی چھوٹی باتوں پر سختی کرتے ہیں (۲) چشم پوشی (۳) نفس کا اتباع نہ کرے شریعت کی پابندی کرے (۴) ایک قسم کی دیسی گاڑی جس کے اوپر بُرجی سی بنی ہوتی ہے (۵) بیل گاڑی (۶) ڈولی (۷) کھانا لگانا شروع کیا (۸) کھانا لگایا گیا۔

تقریب ہے آپ سب صاحب جانتے ہیں کہ میرے والد کا سایہ میرے سر پر سے اُٹھ گیا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے پس مجھ پر مصیبت پڑی ہے کیوں صاحبو کیا مصیبت زدہ کا یہی حق ہے کہ اس کو اور مصیبت پہنچاؤ، کیوں صاحبو! کیا یہی ہمدری ہے، کہ میرا تو باپ مرا اور تم آستینیں چڑھا کر کھانے کو تیار ہو بیٹھے پھر کہا اچھا بسم اللہ کیجئے بھلا اس کے بعد کسی کی غیرت تھی کہ کھانا کھاتا سب عقلاء تھے سب نے اس بات پر غور کیا اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ آج سے یہ رسم موقوف کردینی چاہیئے (۱) واقعی نہایت بُری اور بالکل ہمدردی کے خلاف حرکت ہے چنانچہ ایک عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر سب نے دستخط کئے۔ اور بغیر کھائے چل دیئے۔ اس کے بعد ان رئیس زادہ نے خدمت گاروں سے کہا کہ مساکین اور محتاجوں کو بلالاؤ سب کھانا ان کو کھلا دیا گیا۔ ان کے تو سات پشت نے بھی ایسا کھانا نہ کھایا ہوگا۔ بہت دعائیں دیں۔

واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو شادی غمی سب ہی میں ہم نے تمام خرافات اور لغو رسمین (۲) اختیار کر رکھی ہیں اور اس قدر لغو اور بے ہودہ رسوم ہیں جس کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں اور جس کا منشا محض اتباع ہوٰی ہے اور کچھ بھی نہیں۔

دین کے کاموں میں اتباع ہوٰی

یہ تو دنیا کے کام ہیں مگر ہمارے اوپر یہاں تک اتباع ہوٰی (۳) کا غلبہ ہے کہ ہماری عبادت بھی اس سے خالی نہیں۔ ٹٹول کر دیکھ لیجئے ہم جتنے کام دین کے کرتے ہیں ان کی کیا کیفیت ہے مثلاً جیسے قومی مذہبی انجمن ہے فی نفسہٖ دین کا کام ہے طاعت کی چیز ہے مگر اس میں بھی وہی اتباع ہوٰی ہے دینی مدرسہ جاری کرنا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ خدمت دین کے واسطے اور ثواب کے لئے ہے مگر ہم کس لئے کرتے ہیں اس کا اندازہ امتحان سے ہوسکتا ہے۔

---

(۱) یہ رسم ختم کردینی چاہیئے (۲) فضول رسمیں (۳) خواہشات کی پیروری۔

واقعی امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ للٰہیت سے مدرسہ جاری کیا ہے یا نفسانیت سے وہ امتحان یہ ہے کہ اگر مقابلہ میں کوئی اور مدرسہ ہوجاوے تو اب کارکنان مدرسہ کو دیکھو کہ اس کا ہونا ان کو گراں ہے یا نہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے واسطے یہ کام ہے تو گرانی نہ ہونی چاہیئے اگرچہ یہ بھی اندیشہ ہو کہ ہمارا مدرسہ لوٹ جائیگا (۱) کیونکہ اس کی جگہ دوسرا مدرسہ موجود ہے وہ بھی وہی کام کرے گا جو یہ کرتا ہے اور کام ہی مقصود ہے اگر کسی کی نیت میں یہ بات ہے تو بے شک وہ کام اللہ کے واسطے ہے مگر اس کا کہیں نشان بھی نہیں خواب میں بھی اس کا منظر نظر نہیں آتا بلکہ فوراً ان کو فکر پڑجائے گی کہ بس جی اب تو چندہ گیا گزرا ہوا، ہمارے مدرسہ کی شہرت بھی گئی گزری اب اس کی فکر میں ہوگے کہ دوسرے مدرسہ کی مذمت کریں گے اس کا نام مدرسہ ضرار (۲) کہیں گے اس کی عیب چینی کریں گے رات دن اس کے اکھاڑنے کی فکر میں پڑ جاویں گے اور اپنے مدرسہ کی بابت یہ فکر ہوگی کہ اس کا نام بڑھا رہے۔ اپنے مدرسہ کے طلباء کو بھیج کر دوسرے مدرسہ کے طلباء سے مباحثہ کرائیں گے اور نیت یہ ہوگی کہ یہ ان پر غالب ہوں تاکہ یوں کہہ سکیں کہ وہاں خاک لیاقت نہیں ہوتی ہمارے مدرسہ کے طلباء ایسے لائق فائق ہیں اور یہ فکر ہوگی کہ ہمارے مدرسہ میں بہت سے طلباء کی دستار بندی ہوتا کہ نام ہو کہ ہم نے اتنوں کو قابل کردیا اور وہاں کچھ بھی نہیں بس یہ خلوص اور یہ دین ہے افسوس۔

حضرات یہ حالت ہے ہماری دین کے کاموں کی کہ وہ کام بھی نفسانیت سے ہی کئے جاتے ہیں اس کا نام تدین نہیں بلکہ اتباع ہوٰی ہے۔

پیروں کی حالت

اسی طرح آجکل کے پیروں کی حالت دیکھئے کہ اگر ایک پیر ہوں شہر میں اور کوئی دوسرا پیر آجائے تو اب وہ اس فکر میں ہیں کہ ان کی عیب جوئی کریں (۳) کہیں خاص جلسہ میں ان کی مذمت (۴) کی جارہی ہے کہیں مجمعوں میں ان کی برائیاں ہورہی ہیں بس ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ یہاں سے یہ اکھڑ جائیں (۵) حضرت یہ دین ہے؟ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کام میں خلوص ہو اور دوسرے

(۱) ہمارا مدرسہ بند ہوجائے گا (۲) جیسے منافقین نے مسجد بنائی تھی جس کو مسجد ضرار کہا گیا ایسے ہی اس کو مدرسہ ضرار کہا جائے گا (۳) ان کے عیب تلاش کریں (۴) بُرائی (۵) یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔

شخص وہی کام کرنے لگے جو پہلا شخص کررہا تھا تو یہ پہلا شخص خدا تعالیٰ کا شکر کریگا کہ میرا اور مددگار پیدا ہوگیا یہ تو خوش ہونے کی بات ہے اس پر مسرت ہونی چاہیئے کہ اپنا بوجھ ہلکا ہوگیا مگر ایسے لوگ اب کہاں؟ بس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود دین نہیں بلکہ اغراض ہیں اور یہی اتباع ہوٰی ہے۔

علامتِ خلوص

علی خوّاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامت خلوص کی یہ ہے کہ اگر دوسرا کام کرنے والا آجاوے تو یہ اس کا کام کو چھوڑ دے اب دیکھ لیجئے کہ یہ علامت کہاں کہاں پائی جاتی ہے الا ماشآء اللہ (۱) اوران مشتناؤں میں بعض خدا کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی بیعت ہونے آتا ہے تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ دوسری جگہ جاؤ بس جسے مقصود کام ہوگا تو وہ تو کام ہی چاہے گا کوئی کرے کسی جگہ بھی ہو، بس مخلصین کی علامت یہ ہے مگر ہماری تو عام طور پر یہ حالت ہے کہ دین کا کام بھی کریں گے تو اس میں خواہش نفسانی ملی ہوئی ہوگی غرض ہر چیز میں وہی اتباع ہوٰی کی علت ہے اور یہ سب تو اہلِ ظاہر کی کیفیت تھی جس کو میں نے عرض کیا۔

باطنی اصلاح کے طالبین کی غلطی

اب اہلِ باطن کی متعلق ایک باریک بات رہ گئی اس کو عرض کرکے بیان ختم کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ استیعاب کی ضرورت نہیں نمونہ کافی ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ سب سے بڑا طبقہ مشائخ اور سالکین کا ہے جو اہل باطن ہیں اور سب سے بڑا کام ذکر اللہ اور اصلاح نفس ہے یہ تو بالکل صدق (۲) ہی پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اغراض کا اس میں کیا دخل مگر افسوس اس میں بھی ہم لوگوں کی خرابی سے یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ یہ بھی اتباع ہوٰی سے خالی نہیں رہا، شرح اس کی یہ ہے کہ اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ مقصود اس طریق کا کیا ہے سو وہ وصول الی الحق یعنی رضائے حق ہے اور ثمرہ اصلاح

(۱) مگر بہت ہی کم (۲) سچائی۔

کا یہی ہے مگر ہم لوگوں نے نادانی سے اس وقت اس ثمرہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دوسرا ثمرہ اختراع کیا (۱) ہے کسی نے لذات وانوار کو مقصود سمجھا ہے کسی نے کشف وکرامت کو یہ کیفیت تو مخلصین کی ہے اور دنیا پرستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کو تو ہر حال میں مقصود دنیا ہی ہے ان مخترع ثمرات (۲) کو مقصود بنانے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اگر وہ مقصود مرتب نہ ہوا تو ناکامی کا شبہ ہو کر بعض وقت تعطل کی نوبت آجاتی ہے (۳) چنانچہ بعض کو کشف وکرامت وانوار وغیرہ نہ ہونے سے ایسے قبض کی نوبت آگئی کہ اپنے کو قتل کر لیا۔

خودرائی کی برائی

یہ سب خرابی تجویز کی ہے کہ ثمرات خود تجویز کر لیتے ہیں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی کی مذمت میں فرماتے ہیں ؎

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست　　کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی (۴)

دیکھئے عارف نے خودرائی کو کفر طریق فرمایا ہے۔ اس طریق کا حاصل تفویض محض ہے یعنی کام کرے اور ثمرات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے حتی کہ یہ شان ہونی چاہیئے ؎

ارید وصاله ویرید هجری　　فاترك ما ارید لما یرید (۵)

مقصودِ اصلی رضائے دوست ہے

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ اسکا خوب کیا ہے ؎

میل من سوئے وصال ومیل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست (۶)

(۱) گھڑ لیا ہے (۲) خود تراشیدہ نتائج (۳) سب کام چھوڑنے کی نوبت آجاتی ہے (۴) سلوک ونصوص کی راہ قطع کرنے والوں کو اپنی رائے اور اپنی تدبیر پر عمل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ شیخ کے بتائے ہوئے کے مطابق عمل کریں کیونکہ اس راہ میں خود پسندی اور خودرائی کفر کے مترادف ہے (۵) میں اس سے ملنا چاہتا ہوں وہ مجھ سے جدائی، میں نے اپنی خواہش کو محبوب کی خواہش پر قربان کر دیا (۶) میں اس سے ملاقات کی جستجو میں ہوں اور وہ مجھ سے علیحدگی چاہتا ہے میں نے اپنی سعی چھوڑ دی ہے تاکہ میرے محبوب کا کام بن جائے۔

نیز عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از اوغیر او تمنائے (۱)

اس شعر پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ قیامت کا عذاب بھی تو فراق ہی ہے جیسا خود حافظ رحمۃ اللہ علیہ ہی دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعاں گفت　　فراق یار نہ آں میکند کہ بتواں گفت (۲)

تو کیا اس کی بھی پروا نہ کرنی چاہیئے حالانکہ خود اس کلام میں اس فراق کا محذور عنہ ہونا مصرح ہے۔ (۳)

جواب یہ ہے کہ ایک فراق حقیقی ہے اور ایک فراق صوری ہے (۴) اور عارف کی مراد پہلے کلام میں فراق صوری ہے (۵) اور عذابِ قیامت فراق حقیقی ہے (۶) جو دوسرے کلام میں مذکور ہے۔ عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سابق میں وہ مراد نہیں۔ مطلب یہ کہ جس فراق و وصل کے تم طالب ہو اس سے بحث نہ ہونی چاہیئے بلکہ دوست کی رضا کو دیکھنا چاہیئے جیسی اس کی رضا ہو اسی کو گوارا کرنا چاہئے گو طبع کو ناگواری ہو۔

حالتِ فراق میں حصولِ رضائے دوست کی مثال

اس کو ایک مثال میں یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک محبوب سے عاشق کو وصل حسی میسر ہوا کہ بیٹھے ہوئے اس سے باتیں کر رہا ہے۔ ایسی ہی حالت میں اس نے جیب سے روپیہ نکال کر دیا کہ بازار سے فلاں شئ خرید لاؤ ظاہر ہے کہ اس دس منٹ کے عرصہ میں ظاہری وصل سے یہ محروم رہے گا مگر عاشق کی شان کیا ہے؟ شان یہی ہے کہ فوراً بازار چلا جائے اور محبوب کے ظاہری فراق کو ظاہری وصل پر

(۱) فراق و وصل کی کیا حقیقت ہے محبوب سے اس کی رضامندی کو طلب کرو کہ اس سے اس کے غیر کو طلب کرنا شرمندگی کا باعث ہے (۲) پیر کنعاں نے نہایت عمدہ بات کہی وہ یہ کہ فراق محبوبِ الٰہی ایسی مصیبت ہے جو کہ بیان نہیں کر سکتے۔ واعظ شہر نے ہولِ قیامت کی جو حدیث ذکر کی ہے اس میں کہتا یہ ہے کہ اس نے زمانہ کی جدائی کا ذکر کیا ہے (۳) ایسی جدائی سے بچنے کی صراحت کی گئی ہے (۴) حقیقی جدائی اور صورۃً جدائی (۵) صورۃً جدائی مراد ہے (۶) حقیقی جدائی ہے۔

ترجیح دے (۱) یعنی جو بُعد اسکا تجویز کیا ہوا ہے اس کو اختیار کرے (۲) گو طبعا ناگوار ہو۔ اپنی تجویز کو ترجیح نہ دے کیونکہ حقیقی وصل رضائے محبوب ہے اور یہ فراق محض ظاہری ہے حقیقی فراق نہیں۔ اب دونوں کلام میں تعارض نہ رہا۔

مقصودِ اصلی

غرض مقصود رضا ہے ہرحال میں راضی رہنا چاہیئے گو وہ حال طبعا ناگوار ہو۔ سالکین کو ایسی جہالتیں بہت پیش آتی ہیں مثلاً دلچسپی کے ساتھ ذِکر کرتا تھا پھر اس سے دلچسپی جاتی رہی ذوق وشوق کم ہوگیا پس خیال کرتا ہے کہ میں مردود ہوگیا بڑا غمگین ہوتا ہے بعض کو قبض کی حالت ایسی پیش آتی ہے کہ خودکشی کے لئے تیار ہوجاتے ہیں سو اس کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ جو حالت بھی پیش آوے اس پر راضی رہنا چاہیئے اپنی رائے کو دخل ہی نہ دے مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آید تو دروے بسط بیں　　　تازہ باش وچیں میفگن برجبیں (۳)

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو　　　آں صلاحِ تست آیس دل مشو (۴)

اسی کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش　　　برجفائے خارہجراں صبر بلبل بایدش (۵)

غرض کچھ بھی حال ہو عاشق کا مذہب یہ ہونا چاہیئے ؎

زندہ کنی عطائے تو　　　ور بکشی فدائے تو

جاں شدہ مبتلائے تو　　　ہرچہ کنی رضائے تو (۶)

اور یہ مذہب ہونا چاہیئے ؎

---

(۱) محبوب کی ظاہری جدائی کو اس کے ظاہری وصل پر ترجیح دے (۲) جو دوری اس نے تجویز کی ہے اس کو قبول کرے (۳) جب حالت قبض تجھ کو پیش آئے تو اس میں خوش رہ ہشاش بشاش رہو اور پیشانی پر شکن نہ لاؤ (۴) اے راہ سلوک کے مسافر جب تجھے حالت قبض پیش آتی ہے اس سے مقصود تیری اصلاح ہے اس حالت پر تو دل چھوٹا نہ کر (۵) باغباں اگر چند روز کے لئے پھولوں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ہجر کے کانٹوں کی بے وفائی پر بلبل بھی تو صبر کرتی ہے (۶) آپ زندہ رکھیں آپ کی مرضی ماردیں تو میں آپ پر قربان میری جان تو آپ کے عشق میں مبتلا ہے جو آپ کی مرضی ہو کریں۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من (۱)

کسی حالت میں بھی گھر جائے ناگوار نہ ہو(۲)۔

طالبِ لذات طالبِ حق نہیں ہے

اور جو شخص اس کے خلاف لذات کا طالب ہے وہ حق تعالیٰ کا طالب نہیں کیونکہ لذت عین حق تو نہیں ہے بس عاشق صادق وہ ہی جو حق کا طالب ہو نہ احوال کا نہ مواجید(۳) کا کیونکہ یہ باتیں نہ موعود ہیں نہ لازم ہیں (۴) کبھی ہوتی ہیں کبھی نہیں ہوتیں اس لئے ان کی طرف التفات ہی نہ کرنا چاہیئے۔ توجہ صرف اُس چیز کی طرف کرو جو بوجہ موعود ہونے کے مرتب ہوتی ہے وہ کیا ہے توجہ حق الی العبد۔(۵) چنانچہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی کی نسبت فرماتے تھے کہ ہمارا مقصود تو ذکر سے یہ ہے: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ حق تعالیٰ فرماتے ہیں تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا یہ ایسا ثمرہ ہے جس میں بوجہ وعدہ کے کبھی تخلف ہی ہی نہیں ہوتا(۶) یعنی ہم اللہ تعالیٰ کو اس لئے یاد کیا کریں کہ وہ ہمیں یاد کرینگے اس کے سوا حیات دنیا میں کسی اور ثمرہ کے ہم طالب نہ ہوں باقی اصل ثمرہ رضا ودخولِ جنت وہ تو آخرت میں ہوگا ہی بس اور کیا چاہیئے ایسا شخص جس کا یہ مطلوب ہو کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ یہ ہے حقیقت سلوک کی مگر ہم اس میں بھی بدوں اتباع ہوای (۷) کئے ہوئے نہ رہے۔ بھلا بتلایئے جس طریق کا مبنی محض خلوص ہو جب اس میں بھی

(۱) جس بات سے تو خوش ہو چاہے مجھے ناپسند ہو میں وہ کرنے کو تیار ہوں کیونکہ میرا دل تجھ پر قربان ہے (۲) کوئی بھی حالت پیش آجائے ناگواری نہیں ہونی چاہیئے (۳) سچا عاشق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہو کیفیات کا طالب نہ ہو (۴) نہ ان کیفیات کا وعدہ ہے نہ مجاہدات کے بعد ان کا پایا جانا لازم ہے (۵) اللہ کی بندے کی طرف توجہ (۶) وعدہ کی وجہ سے کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا (۷) ہم اس میں بھی نفسانی خواہشات کی پیروی کئے بغیر نہ رہے۔

نفس کا اتباع ہو رہا ہے جیسا ابھی اوپر بیان ہوا کہ مخترع ثمرات کو مقصود (۱) بنا رکھا ہے تو دیکھئے ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچی ہے۔

ہوٰی کی تعریف اور اُسکا اطلاق

پس اسی کی شکایت ہے اس آیت میں: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ہر چند کہ ہوٰی لغۃً خواہش محمود و مذموم (۲) دونوں کو عام ہے مگر اکثر ہوٰی کا اطلاق ہوائے مذموم (۳) ہی پر ہوتا ہے اس صورت میں ﴿ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ﴾ قید واقعہ ہوگی (۴) اور کبھی ہوٰی کا اطلاق ہوائے محمود پر بھی آتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ بعض عورتیں آپ سے کہتی تھیں کہ ہم نے اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کیا یعنی اپنے کو بلا مہر کے آپ کے نکاح میں دیتے ہیں کیونکہ آپ کا نکاح بلا مہر بھی صحیح ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان عورتوں کو ایک بار بے حیا کہہ دیا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ ﴾ الیٰ قولہ تعالیٰ ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُئْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ﴾ (۵) اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا ((ما اری ربك الا يسارع في هواك)) یہاں بھی لفظ ((هَــوَا)) آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش محمود ہی تھی اس

(۱) خود ساختہ ثمرات کو مقصود بنا رکھا ہے (۲) لفظ ''ہوٰی'' اچھی اور بُری دونوں خواہشات پر بولا جاتا ہے (۳) اکثر بُری خواہش پر ہوا کا اطلاق ہوتا ہے (۴) یہ حقیقی قید ہے (۵) ''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ سب آپ کے لئے مخصوص کیے گئے ہیں نہ اور مؤمنین کے لئے ہم کو وہ احکام معلوم ہیں جو ہم نے ان پر ان کی بیبیوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کیے ہیں تا کہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں ''سورۂ احزاب'' ۵۰۔۵۱۔

سے معلوم ہوا کہ ((ھَوَا)) کا اطلاق ہوائے محمود پر بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں ﴿بِغَیۡرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰہِ﴾ قید احترازی ہوگی۔

ھوای کی اقسام

فیصلہ یہ ہوگا کہ ہوای دو قسم کی ہے [1] ایک وہ جو تابع ہدٰی کے ہو [2] اور ایک وہ جو تابع ہدٰی کے نہ ہو پس جو ہوای تابع ہدٰی کی ہو وہ ہوای اہل اللہ کی ہے ان کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے جس کا تعلق رضائے حق سے ہو چکا ہے۔

نفسِ مطمئنہ کا حال

یہ وہ بات ہے جو بہلول رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت میں ہے کسی بزرگ سے انہوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو؟ ان بزرگ نے فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی خواہش کے خلاف دنیا میں کچھ بھی نہ ہوتا ہو، کہا یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ میں نے اپنی خواہش کو حق تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہے اب کوئی واقعہ میری خواہش کے خلاف ہوتا ہی نہیں [3] پھر مجھے راحت ہی راحت ہے رنج کیوں ہو۔ واقعی جس نے اپنی خواہش کو فنا کر دیا ہو۔ خدا تعالیٰ کی خواہش میں جو حاصل ہے فانی فی الحق ہونے کا وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے اور اس صورت میں جو چیز خدا کی خواہش اور ارادہ کے موافق ہوگی وہ اس کی خواہش کے موافق بھی ہوگی پس دنیا میں تمام حوادث اور تمام واقعات اس کی مرضی کے موافق ہی ہوں گے پھر اس کو رنج کیوں ہوگا، اس کا نفس نفسِ مطمئنہ ہوگا اور وہ کس پر مطمئن ہوگا تعلق بہ محبوب پر مطمئن ہوگا [4] جیسا ارشاد ہے: ﴿اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾ اسی واسطے وہ کسی حالت اور

(۱) خواہشات دو قسم کی ہیں (۲) حکم الٰہی کے تابع ہو (۳) کیونکہ دنیا میں کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا تو جو اس کی مرضی وہی میری مرضی گویا میری مرضی کے خلاف دنیا میں کچھ نہیں ہوتا (۴) محبوب کے ساتھ تعلق پر مطمئن ہوگا۔

کسی چیز سے دلگیر نہیں ہوگا کیونکہ کوئی چیز اس کے خلاف ہی نہیں ہوتی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ دعا نہیں کرتا وہ دعا ضرور کرتا ہے کیونکہ وہ دعا خود حق تعالیٰ کی خواہش کے موافق ہے اس دلیل سے۔

دُعا پر ایک اشکال اور اسکا جواب

یہاں ایک اشکال جو بظاہر واقع ہوتا تھا رفع ہوگیا اور اسی اشکال کی وجہ سے بعض اہلِ حال دعا کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اشکال کی تقریر یہ ہے کہ جس بات کے لئے دعا کی جاتی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ خدا تعالیٰ کی خواہش وارادہ کے موافق ہے یا مخالف ہے اگر موافق ہے تو اس کا آپ ہی ظہور ہوجاویگا دعا کی کیا حاجت ہے اور اگر مخالف ہے تو ایسی بات کی دعا کرنا گستاخی ہے۔

جواب یہ ہے کہ جس بات کا خلاف ارادہ حق ہونا متیقن نہ ہو بلکہ محتمل بین الامرین ہو اس کے لئے دعا کرنا نصوص میں مامور بہ ہے(۱) اور مامور بہ کا بجالانا خود حق تعالیٰ کی خواہش کے موافق ہے پس دعا کرنا خلاف خواہش حق نہ ہوا، ہاں جس امر کا خلاف خواہش حق ہونا متیقین ہو اس کے لئے دعا کرنا ممنوع ہے اور خلاف خواہش ہونے کے علم کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی امر حرام اور ممنوع کے لئے دعا کی جائے (۲) جس کا خلاف خواہش حق ہونا نصوص سے معلوم ہے دوسرے یہ کہ وہ مطلوب حرام اور ممنوع تو نہیں مگر اس کا خلاف خواہش حق ہونا دلیل صحیح سے معلوم ہو چکا ہے جیسے کوئی اپنی نبوت کی دعا کرنے لگے۔

---

(۱) جس کا وقوع یقینی نہ ہو بلکہ دونوں باتوں کا احتمال ہو اس کے لئے دعا کرنے کا قرآن وحدیث میں حکم ہے

(۲) کسی حرام وناپسندیدہ کام کے لئے دعا کی جائے۔

سوال وجواب

اب ایک سوال باقی رہا وہ یہ کہ جس امر کا خلاف منشاء حق ہونا متیقن نہیں(۱) جس کے لئے دعا جائز ہے اگر اس کے لئے دعا کی گئی اور عین دعا کی حالت میں یہ احتمال ہے کہ قبول نہ ہو تو اس وقت دوسرا اشکال ہوگا وہ یہ کہ دعا تو طلب ہے اور طلب کے وقت ایک شق کو (۲) ترجیح دے رہا ہے اور تفویض میں دونوں شقیں مساوی تھیں (۳) تو دعا و تفویض کیسے جمع ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عارف عین دعا کی حالت میں قبول و عدم قبول دونوں پر دل سے راضی ہوتا ہے مگر طلب میں ایک کو ترجیح دینا یہ بھی رضا ہی کا اتباع ہے تو اس وقت بھی درحقیقت وہ دونوں احتمال پر رضا ہی کا طالب ہے اگر دعا قبول ہوئی تو ثواب بھی ملے گا اور مراد ظاہری بھی پوری ہوگی اور قبول نہ ہوئی تو اجر و ثواب سے خوش ہوگا اور مراد حق کی پورا ہونے پر اپنی مراد سے زیادہ خوش ہوگا۔

اگر مرادت را مذاق شکر ست　　　　بے مرادی نے مراد دلبر ست (۴)

پس طلب و دعا اور تفویض و رضا دونوں اس طرح جمع ہوگئی یہاں مضمون مقصود ختم ہوگیا۔

فنا فی اللہ کا طریقہ

اب صرف مقصود کے متعلق دو تین مختصر جملے باقی رہ گئے ہیں وہ معروض ہیں ایک یہ کہ یہ تو معلوم ہوگیا کہ خواہش کے فنا کرنے کی ضرورت ہے۔ اب یہ بات

(۱) جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہونا یقینی نہیں (۲) ایک جانب کو ترجیح دے رہا ہے (۳) سپرداری میں دونوں جانبیں برابر ہیں (۴) اگر میری خواہش پوری ہوجائے تو شکر کا موقع ہے اور اگر خواہش پوری نہ ہوئی تو بھی میری مراد بر آئی کہ محبوب کو خواہش پوری ہوگئی۔

معلوم کرنا رہ گئی کہ فانی ہونے کی کیا صورت ہے اس کو مولانا فرماتے ہیں ۔

باہواؤ آرزو کم باش دوست چوں یضلك عن سبیل اللّٰہ اوست(۱)

حاصل یہ ہوا کہ ہوای کی فانی ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کا اتباع نہ کرے اس سے وہ مضمحل (۲) ہوجاویگا اضمحلال فنا ہے پھر اس کی مقاومت (۳) آسان ہوجاویگی اس کا کسی قدر بیان اثناءِ وعظ (۴) بھی ہو چکا ہے اس سے ''ہواؤ آرزو'' کے فنا کرنے کا حاصل تو معلوم ہوگیا آگے اس کے طریقہ کا بیان ہے ۔

ایں ہوا را نشکند اندر جہاں ہیچ چیزے جز کہ سایہ ہمرہاں (۵)

یعنی خواہش نفسانی کا شکستہ کرنے والا رفیقِ طریق کے سوا کوئی نہیں آگے رفیقِ طریق کی تعیین فرماتے ہیں ۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر (۶)

یہ ہے وہ رفیقِ طریق یعنی شیخِ کامل پس فانی بننے کی صورت ہے کہ شیخِ کامل کا دامن پکڑلو۔

بیعت ضروری نہیں کام کرنا ضروری ہے

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کسی کے مرید ہی ہوجاؤ۔ اس معاملہ میں بہت لوگ بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ لوگ بیعت کو ضروری یعنی شرط اور کافی یعنی علت سمجھتے ہیں کام نہیں کرتے یا بدوں بیعت کام کو نافع نہیں سمجھتے۔ پس خوب سمجھ لو

(۱) خواہشات نفسانی اور آرزوؤں کو کم کرو کیونکہ یہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گی (۲) اس سے وہ خواہش کمزور ہوجائیگی (۳) پھر اس کا مقابلہ آسان ہوجائے گا (۴) دوران وعظ (۵) خواہشات نفسانی کو کم کرنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ راہ سلوک میں کوئی ہمسفر راہ نما ساتھ ہو (۶) نفس کی قوت کو توڑنے والا سوائے شیخِ طریقت کے کوئی نہیں جب میسر آجائے اس کے دامن کو سختی سے پکڑلو۔

کہ شیخ کا اتباع ضروری ہے بیعت ہونا ضروری نہیں یعنی اس پر اصرار نہ کرو کہ بیعت ہی ہو تو کام کرونگا۔بس کام کرنا چاہیئے اور شیخ سے کام لینا چاہیئے۔

مشائخ کا فرضِ منصبی

اب کام کی تفصیل بھی سن لو شیخ کے تو دو کام ہیں ایک اصلاح ایک ذکر کی تعلیم، اوران میں بھی اصل کام اصلاح ہی ہے ذکر اس کی اعانت و برکت کے لئے ہے باقی اصلاح کیا چیز ہے سو وہ نفس کو پاک کرنا ہے ذمائم (۱) سے یعنی تربیت باطنی کرنا مگر اس کی اعانت کے لئے شیخ ذکر اللہ کی تعلیم کرتا ہے یوں آدمی اصلاح کی خود بھی تدبیر کرسکتا ہے مگر شیخ کی تعلیم میں غیبی برکت ہوتی ہے۔ باقی نِرا وظیفہ (۲) بدوں اصلاح کے مطلق کافی نہیں ہے اس خیال کی بھی اصلاح ضروری ہے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کہ نرا وظیفہ ہی اصلاح کے لئے کافی ہے حالانکہ اصلاح کی حقیقت ہی ہوٰی کا نفس سے نکلنا (۳) اگر ہوٰی نفس کے اندر ہے تو فرمائیے نِرا وظیفہ کیسے کافی ہوگا یہ کام تو شیخ کا تھا۔

مریدین کی ذمہ داری

اور مرید کا اصل کام ہے اتباع اور اتباع کی تکمیل کے لئے دوسرا کام ہے شیخ کو حالات کی اطلاع پس میں خلاصہ اور عطر تصوف کا بتلائے دیتا ہوں کہ اصل مقصود ہوٰی کو ہدٰی کے تابع کرنا ہے (۴) اور یہ جب ہوگا کہ نفس سے ہوا نکل جائے (۵) یعنی ہوائے نفس مغلوب ہوجائے اور یہ بات شیخ کے واسطہ سے حاصل ہوجاتی ہے پس یہ ہے خلاصہ۔

---

(۱) بُری باتوں سے (۲) صرف وظائف پڑھنا (۳) خواہشات کا نفس سے نکالنا ہے (۴) اصل کام خواہشات نفسانی کو ہدایات ربانی کے تابع کرنا ہے (۵) نفس میں سے خواہشات نفسانی نکل جائیں۔

مطالعہ مواعظ وکتب قائم مقام شیخ ہیں

دوسرا جملہ یہ کہ اگر کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو وہ یہ تدبیر کرے کہ مشائخ کے ملفوظات واحوال کا مطالعہ کرے اور کتابوں سے فنائے نفس کا طریقہ معلوم کر کے عمل کرے مگر شیخ کی تلاش میں برابر رہے کیونکہ کتابوں کے مطالعہ سے شیخ کے برابر نفع نہیں ہوسکتا پس جس کو شیخ میسر ہو وہ تو ایسا ہے جیسے طبیب سے علاج کرانے والا۔ اور جس کو نہ ملے وہ خود کتابوں میں تدابیر دیکھ کر ایسا علاج شروع کر دے جس میں خطرہ نہ ہو لیکن ایسا نفع تھوڑا ہی ہوگا جیسا طبیب سے رجوع کرنے والے کو ہوتا ہے۔ غرض مشائخ کا فرضِ منصبی نفس کی اصلاح ہے یعنی دواعی ذمیمہ کا مغلوب (۱) ہوجانا اور جیسے طلب ظاہر میں امراض جسم کے مغلوب کرنے کی تدابیر ہیں اور یہی معنی ہیں صحت کے گو دواعی مرض کے یعنی اخلاط وغیرہ بدن کے اندر باقی رہتے ہیں مگر اعتدال کے سبب مضر اثر نہیں کرتے (۲) اسی طرح طب باطن میں امراضِ نفس کے مغلوب کرنے کی ایسی تدابیر ہیں جن کے استعمال سے دواعی ذمیمہ کا اضمحلال ہوجاتا ہے (۳)۔ شیخ یہی تدابیر بتلاتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتا اور یہ تدابیر تم خود بھی اپنے مطالعہ سے معلوم کر سکتے تھے مگر تمہارا معلوم کرنا ویسا ہی ہوگا جیسا غیر طبیب کتب طب سے طریق علاج معلوم کرتا ہے اور دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

حاصلِ تدابیر

اور ان مجموعی تدابیر کا حاصل یہ ہے کہ اول تو علم شریعت حاصل کرے تاکہ افعال واخلاق کا بھلا اور بُرا ہونا معلوم ہو کہ یہ چیز بُری ہے اور یہ اچھی ہے۔

---

(۱) بُرے تقاضوں کا غلبہ نہ ہونا (۲) انسان کے اخلاط اربعہ میں اعتدال پیدا ہونے کا نام صحت ہے وہ اخلاط اگرچہ جسم میں ہوں لیکن ان میں زیادتی نہ ہو (۳) بُرے تقاضے کمزور پڑ جاتے ہیں۔

پھر جو بُری خواہش نفس کے اندر پیدا ہو اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے اگر پھر خواہش پیدا ہو پھر ایسا ہی کرے چند روز میں تقاضا جاتا رہے گا اور یہ زوال تقاضا ہر شخص کی استعداد کے موافق مختلف طور پر ہوگا (مثلاً کسی کو تین بار اس پر عمل کرنے میں نفع ہوگا کسی کو زیادہ میں کسی کو کم میں) اگر کچھ مدت تک ایسا کیا جاوے تو مقاومت نفس آسان ہو جاوے گی(۱)۔ یہ طریقہ دونوں شقوں کے ساتھ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ بعض دفعہ شیخ کامل نہیں ملتا تو اس صورت میں طالب کو کیا کرنا چاہیئے پس وہ یہ دو کام کرے ایک تحصیلِ علوم دوسرے ہوائے مذموم میں نفس کی مخالفت مگر یہ لازم ہے کہ شیخ کی تلاش میں رہے(۲)۔

شیخِ کامل کی علامتیں

تیسرا جملہ یہ کہ یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ شیخِ کامل کسے کہتے ہیں پس سنئے کہ شیخ کامل کی سات علامتیں ہیں۔

(۱) ایک علامت یہ ہے کہ اس کو علمِ دین بقدرِ ضرورت حاصل ہو۔ (۲) ایک یہ کہ علمائے حق سے اُس کو مناسبت ہو (۳) ایک یہ کہ جتنا علم رکھتا ہو اس پر عمل کا اہتمام ہو (۴) چوتھے اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ روز بروز دنیا سے دل سرد ہونے لگے اور حق تعالیٰ سے محبت بڑھنے لگے (۵) پانچویں دقیق علامت ہے وہ یہ کہ اہلِ علم اور اہلِ فہم کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہو یعنی علماء اور صلحاء کا میلان اس کی طرف زیادہ ہو امراء اور عوام الناس کا میلان زیادہ نہ ہو (۶) چھٹے یہ کہ وہ کسی شیخ کامل کا مجاز ہو یعنی کسی مشہور بزرگ نے اس کو بیعت وتلقین وغیرہ کی اجازت دی ہو (۷) ساتویں یہ کہ اس کے اصحاب میں زیادہ کی حالت اچھی ہو۔ یعنی اس کے ہاتھ سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ہو اور طریق باطن میں شفا اسی کا نام ہے کہ اپنی حالت

(۱) نفس کا مقابلہ کرنا آسان ہو جائے گا (۲) علم حاصل کرے نفس کی بری خواہشات کی مخالفت کرے اور اس کے لئے شیخ کی تلاش ضروری ہے۔

شریعت کے موافق ہو جاوے مولانا ان ہی شرائط کا خلاصہ فرماتے ہیں ؎

کار مرداں روشنی وگرمی ست کاردوناں حیلہٗ و بے شرمی ست

روشنی سے مراد معرفت ہے اور گرمی سے مراد محبت ہے یعنی شیخ کامل وہ ہے جسے معرفت بھی حاصل ہو اور صحبت بھی ایک مقام پر مصنوعی پیروں کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روے ہست پس بہر دستے نباید داد دست (۱)

شیخ کے حقوق

اور جب شیخ کامل مل جاوے تو اس کے حقوق کے متعلق فرماتے ہیں ؎

نفس نتواں کشت الا ظل پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر

اسی کو شیخ فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

درارادت باش صادق اے فرید تابیابی گنج عرفاں را کلید

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق (۲)

اور شیخ کے اور بھی حقوق ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اس کا جی بُرا نہ کرے اس کی کوشش کرے کہ اس کا دل میلا نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ ادب و تعظیم سے خوش ہو تو اس کی تعظیم کرے اور جو تعظیم نہ کرنے سے خوش ہو تو تعظیم نہ کرے یہ نہ ہو کہ

(۱) کبھی کبھی شیاطین بھی مشائخ کی شکل بنالیتے ہیں پس ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے سے بچو (۲) اے فرید واردات کے لئے کسی پیر صادق کا ہاتھ تھام لو کہ وہ تمہیں علم وعرفان کے خزانوں کی چابیاں تھمادے۔ بغیر راہنما کے جس نے بھی اس راہِ عشق میں قدم رکھا عمر گذر گئی لیکن وہ اسرارِ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

اپنی مرضی کے موافق عمل کرے اور شیخ کی مرضی کا اتباع نہ کرے یہ حاصل ہے اتباعِ شیخ کا۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ تمام بیان کا یہ ہے کہ اتباع ہوٰی کو ترک اور اتباع ہدٰی کو لازم کرنا چاہیئے۔ یہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اسی سے اصلاح ہوسکتی ہے بدوں اس کے منزلِ مقصود تک پہنچنا سخت دشوار ہے (۱) اور یہ سمجھ لیجئے کہ بدوں کئے ہوئے کوئی کام نہیں ہوتا اس لئے کام کرنا اور ہمت سے کام لینا چاہیئے اس ہمت میں ہماری حالت یہ ہے کہ دنیوی امور میں تو جان لڑادیتے ہیں اور دنیوی مقاصد کے حاصل کرنے میں عمریں ختم کردیتے ہیں مگر دین کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ عام طور سے قصد ہی نہیں کرتے بس یہ چاہتے ہیں کہ گھر بیٹھے بٹھائے دین مل جائے کچھ کرنا نہ پڑے۔تو سمجھ لو کہ بدوں سعی (۲) کے کچھ نہیں ہوتا عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے۔اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں۔

دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق مرحمت فرمائیں (۳)۔آمین

---

(۱) مشکل (۲) بغیر کوشش (۳) اللہ تعالیٰ محشی اور تمام پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۲